قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران: 74)

روزنامہ

الفضل

لندن

مدیر: ابو سعید

Online Edition

منگل یکم مارچ 2022ء | 27 رجب 1443 ہجری قمری | 01 امان 1401 ہجری شمسی | جلد:4 | شمارہ:51

ارشاد باری تعالیٰ

وَوَصَّیۡنَا الۡاِنۡسَانَ بِوَالِدَیۡہِ اِحۡسٰنًا ؕ حَمَلَتۡہُ اُمُّہٗ کُرۡہًا وَّوَضَعَتۡہُ کُرۡہًا ؕ وَحَمۡلُہٗ وَفِصٰلُہٗ ثَلٰثُوۡنَ شَہۡرًا ؕ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرۡبَعِیۡنَ سَنَۃً ۙ قَالَ رَبِّ اَوۡزِعۡنِیۡۤ اَنۡ اَشۡکُرَ نِعۡمَتَکَ الَّتِیۡۤ اَنۡعَمۡتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنۡ اَعۡمَلَ صَالِحًا تَرۡضٰہُ وَاَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ ۚؕ اِنِّیۡ تُبۡتُ اِلَیۡکَ وَاِنِّیۡ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶﴾

(الاحقاف:16)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو تاکیدی نصیحت کی کہ اپنے والدین سے احسان کرے۔ اسے اس کی ماں نے تکلیف کے ساتھ اٹھائے رکھا اور تکلیف ہی کے ساتھ اُسے جنم دیا۔ اور اُس کے حمل اور دودھ چھڑانے کا زمانہ تیس مہینے ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی پختگی کی عمر کو پہنچا اور چالیس سال کا ہوگیا تو اس نے کہا اے میرے ربّ! مجھے توفیق عطا کر کہ میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کرسکوں جو تُو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کی اور ایسے نیک اعمال بجالاؤں جن سے تُو راضی ہو اور میرے لئے میری ذرّیّت کی بھی اصلاح کر دے۔ یقیناً میں تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں اور بلاشبہ میں فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے تعلق قائم کرے تو اس وقت یہ دعا مانگے:

اَللّٰھُمَّ جَنِّبۡنَا الشَّیۡطَانَ وَجَنِّبِ الشَّیۡطَانَ مَا رَزَقۡتَنَا

یعنی اے میرے اللہ! ہمیں شیطان سے بچا اور اس بچے کو بھی شیطان سے محفوظ رکھ جو تو ہمیں عطا فرمائے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزید فرمایا کہ جو بھی یہ دعا مانگے گا اگر ان کے لئے کوئی بچہ مقدر ہوا تو وہ شیطان کے شر سے محفوظ رہے گا۔

(صحیح بخاری، کتاب الدعوات باب مایقول اذا اتی اھلہ)

فرمان خلیفہ وقت

حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

ایک جگہ حضرت زکریا علیہ السلام کے ذریعہ دعا سکھائی اور وہ دعا یہ ہے کہ رَبِّ ھَبۡ لِیۡ مِنۡ لَّدُنۡکَ ذُرِّیَّۃً طَیِّبَۃً ۚ اِنَّکَ سَمِیۡعُ الدُّعَآءِ (آل عمران:39) اے میرے رب مجھے اپنی جناب سے پاکیزہ ذریّت، اولاد عطا کر۔ یقیناً تُو بہت دعائیں سننے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود یہ دعا سکھائی کہ مَیں دعائیں سننے والا ہوں۔ اس لئے تم بھی کہو کہ اے اللہ تُو دعا سننے والا ہے۔ اس لئے ہماری دعائیں قبول کر اور ہمیں پاک اولاد بخش۔

پس جب پاکیزہ اولاد کی خواہش ہو تو اس کے لئے دعا بھی ہونی چاہئے لیکن ساتھ ہی ماں باپ کو بھی ان پاکیزہ خیالات کا اور نیک اعمال کا حامل ہونا چاہئے جو نیکوں اور انبیاء کی صفت ہیں۔ ہر ماں اور باپ کو وہ اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ مائیں دینی امور کی طرف توجہ دینے والی ہوتی ہیں، عبادات کرنے والی ہوتی ہیں تو مرد نہیں ہوتے۔ بعض جگہ مرد ہیں تو عورتیں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہیں۔ اولاد کے نیک ہونے اور زمانے کے بد اثرات سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ اولاد کی خواہش اور اولاد کی پیدائش سے بھی پہلے مرد عورت دونوں نیکیوں پر عمل کرنے والے ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کے واقعات بقیہ صفحہ 4 پر

حضرت سلطان القلمؑ کے رشحات قلم

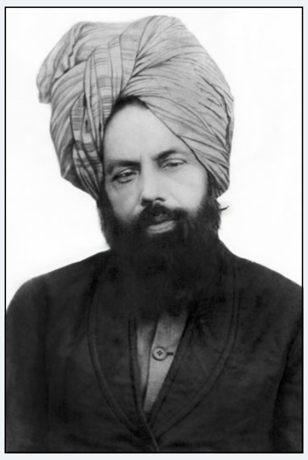

ازواج اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرنے کا ذریعہ

’’پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے، مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عُمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں، نہ کبھی اُن کے لیے دُعا کرتے ہیں اور نہ مراتبِ تربیت کو مدِّنظر رکھتے ہیں۔

میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لیے دُعا نہیں کرتا۔ بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بُری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں، تو ان کو تنبیہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں...... لوگ اولاد کی خواہش تو کرتے ہیں، مگر نہ اس لیے کہ وہ خادمِ دین ہو بلکہ اس لیے کہ دنیا میں ان کا کوئی وارث ہو اور جب اولاد ہوتی ہے تو اس کی تربیت کا فکر نہیں کیا جاتا۔ نہ اس کے عقائد کی اصلاح کی جاتی ہے اور نہ اخلاقی حالت کو دُرست کیا جاتا ہے۔ یہ یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہو سکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور نیکیوں کی اُمید اس سے کیا ہوسکتی ہے؟۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے رَبَّنَا ھَبۡ لَنَا مِنۡ اَزۡوَاجِنَا وَذُرِّیّٰتِنَا قُرَّۃَ اَعۡیُنٍ وَّاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا۔ (الفرقان:75) یعنی خدا تعالیٰ ہم کو ہماری بیویوں اور بچّوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرماوے اور یہ تب ہی میسّر آسکتی ہے کہ وہ فسق وفجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عِبَادُالرَّحۡمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شَے پر مقدّم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجۡعَلۡنَا لِلۡمُتَّقِیۡنَ اِمَامًا۔ اولاد اگر نیک اور متّقی ہو تو ان کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متّقی ہونے کی بھی دُعا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد1صفحہ 562-563 ایڈیشن 1988ء)

بیوی بچوں کے لئے دعا کی تاکید

’’اللہ تعالیٰ نے قرآنِ شریف میں یہ دُعا سکھلائی ہے کہ اَصۡلِحۡ لِیۡ فِیۡ ذُرِّیَّتِیۡ (الاحقاف:16) میرے بیوی بچوں کی بھی اصلاح فرما۔ اپنی حالت کی پاک تبدیلی اور دُعاؤں کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد اور بیوی کے واسطے بھی دُعا کرتے رہنا چاہیئے کیونکہ اکثر فتنے اولاد کی وجہ سے انسان پر پڑ جاتے ہیں اور اکثر بیوی کی وجہ سے۔‘‘

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 456 ایڈیشن 1988ء)

اس شمارہ میں

- مسرور کا خدا ہے مددگار دیکھنا (منظوم)
- کتاب تعلیم کی تیاری
- خطاب جلسہ سالانہ قادیان 2021ء
- معراج اور اسراء کی حقیقت

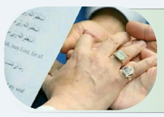

دربارِ خلافت

اُنہوں نے مجھے ایک رسالہ دیا جس کا نام
شہادۃ القرآن علی نزول المسیح الموعود فی اٰخر الزمان تھا

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

حضرت محمد فاضل صاحبؓ ولد نور محمد صاحب، 1899ء کی ان کی بیعت ہے، کہتے ہیں کہ ایک دن گھر میں تھا، مولوی شیخ محمد (ان کا کوئی مولوی تھا) غیر مقلد جو میرا سالا تھا، ملنے کے لئے آیا اور اُنہوں نے مجھے ایک رسالہ دیا جس کا نام شہادۃ القرآن علی نزول المسیح الموعود فی اٰخر الزمان تھا۔ رات کا وقت تھا، مجھے شوق ہوا کہ کب دن ہو اور میں اُسے پڑھوں۔ جب صبح ہوئی تو مَیں نے نماز سے فارغ ہو کر ایک علیحدہ کوٹھڑی میں چارپائی پر لیٹ کر رسالے کو پڑھنا شروع کیا تو کوئی تین صفحے پڑھے ہوں گے کہ مجھے غنودگی ہوگئی۔ میں کیا دیکھتا ہوں کہ میرے سرہانے حضرت مسیح موعود علیہ السلام آ کر بیٹھ گئے ہیں اسی چارپائی پر اور اپنے دہنِ مبارک سے اپنے لعاب نکال کر میرے منہ میں ڈالتے ہیں اور اپنے ہاتھ سے ڈالتے ہیں تو میں اُس کو گھونٹ کی طرح نگل گیا۔ اُس وقت مجھے اس طرح معلوم ہوا کہ میرے دل سے فوارے نکل رہے ہیں اور سرور سے سینہ بھر گیا۔ پھر میں بیدار ہو گیا۔ اس سے میرے دل میں یقین زیادہ ہو گیا اور محبت کی آگ بہت تیز ہو گئی۔ اور میرے قلب میں اضطراب اور عشاقِ جہاں جاتا رہا، اضطراب جاتا رہا اور جب بھی میں اکیلا چلتا اکثر میری زبان پر یہ شعر جاری ہوتا۔

پھرتا ہوں تجھ بن صنم ہو کے دیوانہ ہوبہو
شہر بہ شہر دیہہ بہ دیہہ خانہ بہ خانہ کُو بہ کُو

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد 7 صفحہ 231-230 از روایات حضرت محمد فاضل صاحبؓ)

یہ کتاب ''شہادۃ القرآن'' جس کا یہ ذکر کر رہے ہیں۔ اُس میں کسی اعتراض کرنے والے نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر یہ اعتراض کیا تھا کہ حدیثوں سے کس طرح ثابت ہوتا ہے کہ آپ سچے ہیں۔ حدیثیں تو بعض اس قابل بھی نہیں ہیں کہ اُن پر یقین کیا جائے۔ تو اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کتاب لکھی تھی اور تمام شبہات دور فرمائے۔ اُس شخص کی تو تسلی نہیں ہوئی لیکن بہرحال اُس کی اس کتاب سے بہتوں کا فائدہ ہو گیا۔

حضرت شیخ عطاء محمد صاحبؓ سابق پٹواری ونجواں بیان کرتے ہیں کہ خواب آیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بٹالہ کی سڑک پر ٹہلتے ہیں جو تحصیل کے محاذ میں ہے۔ (یعنی سامنے ہے۔) حضور نے مجھ کو ایک روپیہ دیا اور ملکہ کی تصویر پر کراس لگا دیا، کانٹا پھیر دیا، خط کھینچ دیا اور فرمایا کہ اس کو خزانے میں دے آؤ۔ جب یہ خواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو سنائی گئی تو حضور نے فرمایا کہ ملکہ مسلمان نہیں ہو گی۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ رجسٹر 10 صفحہ 355 از روایات حضرت شیخ عطا محمد صاحبؓ سابق پٹواری ونجواں)

میاں عبدالعزیز صاحبؓ المعروف مغل صاحب روایت کرتے ہیں، (اُن کی بیعت 1892ء کی ہے) کہ چوہدری عبدالرحیم صاحب ابھی غیر احمدی ہی تھے کہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھڑی مرمت کے لئے میرے پاس آئی ہے۔ کہتے ہیں چنانچہ اتفاق سے مَیں نے (یعنی میاں مغل صاحب نے) یہ گھڑی اُن کو مرمت کے لئے دی۔ (یہ وہ گھڑی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی گھڑی تھی اور حضرت اماں جان نے ان کو دی تھی۔ جس شخص نے خواب دیکھی وہ غیر احمدی تھے۔ اُس وقت احمدی نہیں ہوئے تھے، انہوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گھڑی اُن کے پاس مرمت کے لئے آئی ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد مغل صاحب نے ایک گھڑی مرمت کے لئے، ان صاحب کو دی جنہوں نے خواب دیکھی تھی۔ جب انہوں نے وہ گھڑی کھولی تو مرمت کرنے والے کہنے لگے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گھڑی ہے۔ بالکل وہی نقشہ ہے جو مجھے خواب میں دکھلایا گیا ہے۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہؓ غیر مطبوعہ جلد 9 صفحہ 19 از روایات حضرت میاں عبدالعزیز صاحبؓ المعروف مغل)

حضرت امیر خان صاحبؓ جن کی 1903ء کی بیعت ہے، فرماتے ہیں کہ 1902ء میں مَیں نے خواب کے اندر مسجد مبارک کو ایک گول قلعہ کی شکل میں دیکھا جس کے اندر بہت سی مخلوق تھی اور ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک سرخ جھنڈی تھی۔ اور اُن میں سے ایک شخص جو سب سے بزرگ تھا، وہ اوپر کی منزل میں تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا تھا۔ کسی نے مجھے کہا کہ آپ جانتے ہیں یہ کون ہے؟ میں نے کہا میں تو نہیں جانتا۔ تب اُس نے کہا یہ تیرا کابل کا بھائی ہے۔ اس قلعہ کے برجوں میں ایسے سوراخ تھے کہ جن سے بیرونی دشمن پر بخوبی نشانہ لگ سکتا تھا مگر باہر والوں کا بوجہ اوٹ کے کوئی نشانہ نہیں لگ سکتا تھا اور قلعہ کے باہر گرد و غبار کا اس قدر دھواں تھا کہ مشکل سے آدمی پہچانا جاتا تھا۔ اور گدھوں، خچروں اور اونٹوں کی آوازوں کا اس قدر شور تھا کہ مارے دہشت کے دل بیٹھا جاتا تھا۔ جب میں قلعہ سے باہر نکلا (یہ خواب بیان فرما رہے ہیں) تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر طرف مُردے ہی مُردے پڑے ہیں جن کو اُٹھا اُٹھا کر قلعہ میں لایا جا رہا ہے۔ جب میں قلعہ سے ذرا دور فاصلے پر چلا گیا اور شور وغل نے مجھے پریشان سا کر دیا تو مَیں گھبرا کر قلعہ کی طرف فوراً لوٹا اور قلعہ میں داخل ہونے کے لئے دروازے کی تلاش کرنے لگا مگر کوئی دروازہ نہ ملا۔ مَیں اسی تلاش میں تھا کہ اتنے میں مَیں نے ایک شخص مسکین صورت، نیک سیرت کو دیکھا۔ وہ بھی قلعہ کے اندر داخل ہونے کے لئے سعی کر رہا ہے مگر دروازہ اُسے بھی نہیں ملتا۔ ابھی ہم اسی جستجو میں تھے کہ ہمیں معلوم ہوا کہ قلعہ کے اوپر جو چبوترہ ہے اُس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فِدَاہُ اَبِیْ وَاُمِّیْ، جماعت نماز کرا رہے ہیں (باجماعت نماز وہاں ہو رہی ہے) یہ دیکھ کر ہم دونوں بے تاب اور بیقرار ہو گئے۔ اسی اضطراری حالت میں کہتے ہیں کہ مَیں نے دوسرے ساتھی کے گلے میں اپنے دونوں ہاتھ ڈال کر ''اَللّٰہُ ھُوْ'' کا ذکر جس طریق سے کہ مجھے میرے پیر سید غلام شاہ صاحب نے بتلایا ہوا تھا، کرنا شروع کر دیا۔ جس کی برکت سے ہم دونوں پرواز میں آئے اور اُڑ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دائیں جانب پہلی صف میں جہاں کہ صرف دو آدمی کی جگہ خالی تھی کھڑے ہو کر سجدہ میں شامل ہو گئے اور سجدہ کے اندر میں اپنی اس خوش نصیبی کو محسوس کرتے ہوئے کہ ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں جانب اور پہلی صف میں جگہ میسر آئی، اس قدر بقیہ صفحہ 12 پر

مسرور کا خدا ہے مددگار دیکھنا

(جناب عابد نے اپنا یہ کلام 2018ء کے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر ایک ادبی نشست میں حضور انور ایدہ اللہ کی موجودگی میں پڑھ کر سنایا تھا)

چبھنے نہ پائے اس کو کوئی خار دیکھنا
اے ساکنانِ کوچہ دلدار دیکھنا

جب آسمان اس کی صداقت پہ ہو گواہ
پھر کیا دمشق اور کیا مینار دیکھنا

بیٹھے ہیں اس کی راہ میں پلکیں بچھائے ہم
سج دھج کے آئے گا وہ میرا یار دیکھنا

ہر گام پہ فرشتوں کا لشکر ہے ساتھ ساتھ
مسرور کا خدا ہے مددگار دیکھنا

اتری ہیں اس کے واسطے افواجِ قدسیاں
اے دشمنان دین، خبردار، دیکھنا

فتحِ مبیں کے واسطے جو سجدہ ریز ہے
دشمن سے اس کو بر سرکار دیکھنا

اذنِ خدا کی دیر ہے کردے گا سب کو ڈھیر
تیغِ دعا کا ایک ہی بس وار دیکھنا

ہر احمدی ہے آپ کا خادم میرے حضور
خدّام تو ہیں آپ کے انصار دیکھنا

عابد تجھے نصیب ہوئی لذت وصال
ہر شخص چاہتا ہے رُخ یار دیکھنا

لئیق احمد عابد

اداریہ

کتاب تعلیم کی تیاری

قسط 34

اس عنوان کے تحت درج ذیل تین عناوین پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادار کٹھے کئے جا رہے ہیں۔

1۔ اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں؟

2۔نفس کے ہم پر کیا حقوق ہیں؟

3۔ بنی نوع کے ہم پر کیا کیا حقوق ہیں؟

اللہ تعالیٰ کے حضور ہمارے کیا فرائض ہیں

• نماز اس وقت حقیقی نماز کہلاتی ہے جبکہ اللہ تعالیٰ سے سچا اور پاک تعلق ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور اطاعت میں اس حد تک فنا ہو اور یہاں تک دین کو دنیا پرمقدم کر لے کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں جان تک دے دینے اورمرنے کے لئے طیار ہوجائے جب یہ حالت انسان میں پیدا ہوجائے اس وقت کہا جائے گا کہ اس کی نماز نماز ہے مگر جب تک یہ حقیقت انسان کے اندر پیدا نہیں ہوتی اور سچا اخلاص اور وفاداری کا نمونہ نہیں دکھلاتا اس وقت تک اس کی نمازیں اور دوسرے اعمال بے اثر ہیں۔

بہت سی مخلوق ایسی ہے کہ لوگ ان کو مومن اور راست باز سمجھتے ہیں مگر آسمان پر ان کا نام کافر ہے۔ اس واسطے حقیقی مومن اور راستباز وہی ہے جس کا نام آسمان پر مومن ہے۔ دنیا کی نظر میں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ کہلاتا ہو۔حقیقت میں یہ بہت ہی مشکل گھاٹی ہے کہ انسان سچا ایمان لاوے اور خدا تعالیٰ کے ساتھ کامل اخلاص اور وفاداری کا نمونہ دکھلاوے۔ جب انسان سچا ایمان لاتا ہے تو اس کے بہت سے نشانات ہو جاتے ہیں۔قرآن شریف نے سچے مومنوں کی جو علامات بیان کی ہیں وہ ان میں پائی جاتی ہیں۔ ان علامات میں سے ایک بڑی علامت جو حقیقی ایمان کی ہے وہ یہی ہے کہ جب انسان دُنیا کو پاؤں کے نیچے کچل کر اس سے اس طرح پر الگ ہوجاتا ہے جیسے سانپ اپنی کینچلی سے باہر آجاتا ہے۔ اس طرح پر جب انسان نفسانیت کی کینچلی سے باہر آ جاتا ہے تو وہ مومن ہوتا ہے اور ایمان کامل کے آثار اس میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا وَّالَّذِیۡنَ ہُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ (النحل: 129) یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو تقویٰ سے بھی بڑھ کر کام کرتے ہیں یعنی محسنین ہوتے ہیں۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 365-366 ایڈیشن 2016ء)

• میں ابھی جماعت میں بزدلی کو دیکھتا ہوں اور جب تک یہ بزدلی دور نہ ہو اور عبد اللطیف کا سا ایمان پیدا نہ ہو۔ یقیناً یاد رکھو کہ وہ اس سلسلہ میں داخل نہیں ہے بلکہ وہ یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ(البقرۃ:10) میں داخل ہے۔مومنوں میں وہ اس وقت داخل ہوں گے جب وہ اپنی نسبت یہ یقین کر لیں گے کہ ہم مُردے ہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جب دشمنوں کے مقابلہ پر جاتے تھے وہ ایسے معلوم ہوتے تھے کہ گویا گھوڑوں پرمُردے سوار ہیں اور وہ سمجھتے تھے کہ اب ہم کوموت ہی اس میدان سے الگ کرے گی۔

اللہ تعالیٰ لاف وگزاف کو پسند نہیں کرتا وہ دل کی اندرونی حالت کو دیکھتا ہے کہ اس میں ایمان کا کیا رنگ ہے۔ جب ایمان قوی ہو تو استقامت اور استقلال پیدا ہوتا ہے اور پھر انسان اپنی جان و مال کو ہرگز اس ایمان کے مقابلے میں عزیز نہیں رکھ سکتا اور استقامت ایسی چیز ہے کہ اس کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں ہوتا لیکن جب استقامت ہوتی ہے تو پھر انعامات الٰہیہ کا دروازہ کُھلتا ہے دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، مکالمات الٰہیہ کا شرف بھی دیا جاتا ہے یہاں تک کہ استقامت والے سے خوارق کا صدور ہونے لگتا ہے۔ ظاہری حالت اگر اپنی جگہ کوئی چیز ہوتی اور اس کی قدر وقیمت ہوتی تو ظاہرداری میں توسب کے سب شریک ہیں عام مسلمان نمازوں میں ہمارے ساتھ شریک ہیں لیکن خدا تعالیٰ کے نزدیک شرف اور بزرگی اندرونہ سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لیے فرمایا ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت اور بزرگی ظاہری نماز اور اعمال سے نہیں ہے بلکہ اس کی فضیلت اور بزرگی اس چیز سے ہے جو اس کے دل میں ہے۔حقیقت میں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ شرف اور عُلُوّ دل ہی کی بات سے مخصوص ہے مثلاً ایک شخص کے دو خدمتگار ہوں اور ان میں سے ایک خدمت گار تو ایسا ہو جو ہروقت حاضر رہے اور بڑی جانفشانی سے ہرایک خدمت کے کرنے کو حاضر اور طیار رہے اور دوسرا ایسا ہے کبھی کبھی آجاتا ہے۔ ان دونوں میں بہت سے بڑا فرق ہے جو ہرایک شخص سمجھ سکتا ہے آقا بھی خوب جانتا ہے کہ یہ محض ایک مزدور ہے جو دن پورے ہو جانے پر تنخواہ لینے والا ہے اور اسی کے لیے کام کرتا ہے اب صاف ظاہر ہے کہ اس کے نزدیک قدر وقیمت اور محبت اسی سے ہو گی جو محنت اور جانفشانی سے کام کرتا ہے نہ کہ اس مزدور سے۔

پس یاد رکھو کہ وہ چیز جو انسان کی قدر وقیمت کو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑھاتی ہے وہ اس کا اخلاص اور وفاداری ہے جو وہ خدا تعالیٰ سے رکھتا ہے ورنہ مجاہدات خشک سے کیا ہوتا ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھا گیا ہے کہ ایسے ایسے لوگ بھی مجاہدات کرتے تھے جو چھت سے رسہ باندھ کر (اپنے) آپ کو ساری رات جاگنے کے لیے لٹکا رکھتے تھے لیکن کیا وہ ان مجاہدات سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہو گئے تھے؟ ہرگز نہیں۔

نامرد، بزدل، بے وفا جو خدا تعالیٰ سے اخلاص اور وفاداری کا تعلق نہیں رکھتا بلکہ دغا دینے والا ہے وہ کس کام کا ہے اس کی کچھ قدر وقیمت نہیں ہے۔ساری قیمت اور شرف وفا سے ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو جو شرف اور درجہ ملا وہ کس بناء پر ملا؟ قرآن شریف نے فیصلہ کر دیا ہے۔ اِبۡرٰہِیۡمَ الَّذِیۡ وَفّٰۤی (النجم:38)۔ ابراہیم وہ جس نے ہمارے ساتھ وفاداری کی۔ آگ میں ڈالے گئے مگر انہوں نے اس کو منظور نہ کیا کہ وہ ان کافروں کو کہہ دیتے کہ تمہارے ٹھاکروں کی پوجا کرتا ہوں۔ خدا تعالیٰ کے لیے ہر تکلیف اور مصیبت کو برداشت کرنے پر آمادہ ہو گئے خدا تعالیٰ نے کہا کہ اپنی بیوی کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آ۔ انہوں نے فی الفور اس کو قبول کرلیا ہر ایک ابتلا کو انہوں نے اس طرح پر قبول کرلیا کہ گویا عاشق اللہ تھا۔ درمیان میں کوئی نفسانی غرض نہ تھی۔ اسی طرح پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابتلاء پیش آئے۔خویش و اقارب نے مل کر ہرقسم کی ترغیب دی کہ اگر آپ مال و دولت چاہتے ہیں تو ہم دینے کو طیار ہیں اور اگر آپ بادشاہت چاہتے ہیں تو اپنا بادشاہ بنا لینے کو تیار ہیں اگر بیویوں کی ضرورت ہے تو خوبصورت بیویاں دینے کوموجود ہیں مگر آپ کا جواب یہی تھا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے تمہارے شرک کے دور کرنے کے واسطے مامور کیا ہے جومصیبت اور تکلیف دینی چاہتے ہو دے لو میں اس سے رک نہیں سکتا کیونکہ یہ کام جب خدا نے میرے سپرد کیا ہے پھر دنیا کی کوئی ترغیب اور خوف مجھ کو اس سے ہٹا نہیں سکتا۔ آپ جب طائف کے لوگوں کو تبلیغ کرنے گئے تو ان خبیثوں نے آپ کے پتھر مارے جس سے آپ دوڑتے دوڑتے گر جاتے تھے لیکن ایسی مصیبتوں اور تکلیفوں نے آپ کو اپنے کام سے نہیں روکا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صادقوں کے لیے کیسی مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوتا ہے اور کیسی مشکل گھڑیاں ان پر آتی ہیں مگر باوجود مشکلات کے ان کی قدر شناسی کا بھی ایک دن مقرر ہوتا ہے اس وقت ان کا صدق روز روشن کی طرح کھل جاتا ہے اور ایک دنیا ان کی طرف دوڑتی ہے۔

عبد اللطیف کے لیے وہ دن جو اس کی سنگساری کا دن تھا کیسا مشکل تھا وہ ایک میدان میں سنگساری کے لیے لایا گیا اور ایک خلقت اس تماشا کو دیکھ رہی تھی مگر وہ دن اپنی جگہ کس قدر، قدر و قیمت رکھتا ہے۔ اگر اس کی باقی ساری زندگی ایک طرف ہو اور وہ دن ایک طرف، تو وہ دن قدر وقیمت میں بڑھ جاتا ہے زندگی کے یہ دن بہرحال گذر ہی جاتے ہیں اور اکثر بہائم کی زندگی کی طرح گذرتے ہیں لیکن مبارک وہی دن ہے جو خدا تعالیٰ کی محبت و وفا میں گذرے۔فرض کرو کہ ایک شخص کے پاس لطیف اور عمدہ غذائیں کھانے کے لیے اور خوبصورت بیویاں اور عمدہ عمدہ سواریاں سوار ہونے کو رکھتا ہے بہت سے نوکر چاکر ہر وقت خدمت کے لیے حاضر رہتے ہیں مگر ان سب باتوں کا انجام کیا ہے؟ کیا یہ لذتیں اور آرام ہمیشہ کے لیے ہیں؟ ہرگز نہیں ان کا انجام آخر فنا ہے۔مردانہ زندگی یہی ہے کہ اس زندگی پر فرشتے بھی تعجب کریں۔ وہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اس کی استقامت، اخلاص اور وفاداری تعجب خیز ہو۔ خدا تعالیٰ نامرد کو نہیں چاہتا۔ اگر زمین و آسان بھی ظاہری اعمال سے بھر دیں لیکن ان اعمال میں وفا نہ ہو تو ان کی کچھ بھی قیمت نہیں۔ کتاب اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان صادق اور وفادار نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی نمازیں بھی جہنم ہی کو لے جانے والی ہوتی ہیں۔ جب تک پورا وفادار اور مخلص نہ ہو ریاکاری کی جڑ اندر سے نہیں جاتی ہے۔لیکن جب پورا وفادار ہوجاتا ہے اس وقت اخلاص اور صدق آتا ہے اور وہ زہریلا مادہ نفاق اور بزدلی کا جو پہلے پایا جاتا ہے دور ہو جاتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 382-385 ایڈیشن 2016ء)

نفس کے حقوق

• یادرکھو اللہ تعالیٰ روح اور روحانیت پر نظر کرتا ہے وہ ظاہری اعمال پر نظر اور نگاہ نہیں کرتا وہ ان کی حقیقت اور اندرونی حالت کو دیکھتا ہے کہ ان اعمال کی تہہ میں خودغرضی اور نفسانیت ہے یا اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور اخلاص مگر انسان بعض وقت ظاہری اعمال کو دیکھ کر دھوکا کھا جاتا ہے۔جس کے ہاتھ میں تسبیح ہے یا وہ تہجد و اشراق پڑھتا ہے بظاہر ابرار واخیار کے کام کرتا ہے تو اس کو نیک سمجھ لیتا ہے مگر خدا تعالیٰ کو تو پوست پسند ہیں۔

یہ پوست اور قشر ہے اللہ تعالیٰ اس کو پسند نہیں کرتا اور کبھی راضی نہیں ہوتا جب تک وفاداری اور صدق نہ ہو بے وفا آدمی کتے کی طرح

ہے جو مردار دنیا پر گرے ہوئے ہوتے ہیں وہ بظاہر نیک بھی نظر آتے ہیں، لیکن افعال ذمیمہ ان میں پائے جاتے ہیں اور پوشیدہ بد چلنیاں ان میں پائی جاتی ہیں جو نمازیں ریا کاری سے بھری ہوئی ہوں ان نمازوں کو ہم کیا کریں اور ان سے کیا فائدہ؟

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 364-365 ایڈیشن 2016ء)

- ایک استفسار کہ جواب میں کہ آج کل کے پیر اور گدی نشین وظائف وغیرہ اور مختلف قسم کے اَوراد بتاتے ہیں۔ آپ کا کیا ارشاد ہے؟

فرمایا کہ:۔مومن جو بات سچے یقین سے کہے وہ ضرور مؤثر ہوتی ہے کیونکہ مومن کا مطہر قلب اسرار الٰہی کا خزینہ ہے جو کچھ اس پاک لوح انسان پر منقش ہوتا ہے وہ آئینہ خدا نما ہے۔ مگر انسان جب ضعفِ بشریت سے سہو و گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر ذرہ بھی اس کی پروا نہیں کرتا تو دل پر سیاہ زنگ بیٹھ جاتا اور رفتہ رفتہ قلب انسانی کی خشیتِ الٰہی سے گداز اور شفاف تھا سخت اور سیاہ ہوتا جاتا ہے۔ مگر جونہی انسان اپنی مرضِ قلب کو معلوم کر کے اس کی اصلاح کے درپے ہوتا ہے اور شب و روز نماز میں دعائیں، استغفار وزاری وقلق جاری رکھتا ہے اور اس کی دعائیں انتہا کو پہنچتی ہیں تو تجلیاتِ الٰہی اپنے فضل کے پانی سے اس ناپاکی کو دھو ڈالتی ہیں اور انسان بشرطیکہ ثابت قدم رہے ایک قلب لے کر نئی زندگی کا جامہ پہن لیتا ہے گویا کہ اس کا تولد ثانی ہوتا ہے۔

دو زبردست لشکر ہیں جن کے درمیان انسان چلتا ہے ایک لشکر رحمٰن کا دوسرا شیطان کا۔ اگر یہ لشکر رحمن کی طرف جھک جاوے اور اس سے مدد طلب کرے تو اسے بحکمِ الٰہی مدد دی جاتی ہے اور اگر شیطان کی طرف رجوع کیا تو گناہوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ پس انسان کو چاہیے کہ گناہ کی زہریلی ہوا سے بچنے کے لئے رحمٰن کی حفاظت میں ہو جاوے۔ وہ چیز جو انسان اور رحمٰن میں دوری اور تفرقہ ڈالتی ہے وہ فقط گناہ ہی ہے جو اس سے بچ گیا اس نے اللہ تعالیٰ کی گود میں پناہ لی۔ دراصل گناہ سے بچنے کے لیے دو ہی طریق ہیں۔ اوّل یہ کہ انسان خود کوشش کرے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ سے جو زبردست مالک و قادر ہے استقامت طلب کرے یہاں تک کہ اسے پاک زندگی میسر آوے اور یہی تزکیہ نفس کہلاتا ہے۔

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 145-147 ایڈیشن 2016ء)

بنی نوع کے حقوق

- انسانی زبان کی چھُری تو رک سکتی ہی نہیں۔ جب خدا کا خوف کسی دل میں نہ ہو۔ انسانی زبان کی بے باکی اس امر کی دلیل ہے کہ اس کا دل سچے تقویٰ سے محروم ہے۔ زبان کی تہذیب کا ذریعہ صرف خوفِ الٰہی اور سچا تقویٰ ہے۔ ان کی گالیوں پر ہمیں کیا افسوس ہو۔ انہوں نے تو نہ خدا کو سمجھا اور نہ حق العباد کو۔ ان کو خبر ہی نہیں کہ زبان کس چیز سے رُکتی ہے۔

تمام قوت اور توفیق خدا ہی کو ہے۔ اور اس کی عنایت اور نصرت سے ہی انسان کو کچھ لکھ پڑھ سکتا ہے۔شاید اس کتاب کے خاتمہ کے لکھے جانے سے اس قوم کی قوت و ہمت اور دلائل کا خاتمہ ہو جاوے۔

میں نے کل سوچا کہ اس میں کیا حکمت ہے کہ جب کوئی صادق خدا کی طرف سے آتا ہے تو اس کو لوگ کتوں کی طرح کاٹنے کو دوڑتے ہیں۔ اس کی جان، اس کا مال، اس کی عزت و آبرو کے درپے ہو جاتے ہیں۔مقدمات میں اس کو کھینچتے ہیں۔ گورنمنٹ کو اس سے بدظن کرتے ہیں غرض ہر طرح سے جس طرح ان سے بن پڑتا ہے اور تکلیف پہنچا سکتے ہیں اپنی طرف سے کوئی کسر باقی نہیں رکھتے۔ ہر پہلو سے اس کے استیصال کرنے پر آمادہ اور ہر ایک کمان سے اس پر تیر مارنے کو کمر بستہ ہوتے ہیں۔ چاہتے ہیں کہ ذبح کر دیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے قیمہ کر دیں۔ ادھر تو یہ جوش اٹھتا ہے مگر دوسری طرف اس کے پاس ہزار در ہزار لوگ آتے ہیں۔شرک و بدعت میں مبتلا ہوتے اور حق اللہ انسان کو دیا جاتا ہے مگر ان میں مولویوں کو اس امر کی پروا نہیں۔ ہزاروں کنجر اور لنگوٹی پوش فقیر بنتے اور خلق اللہ کو گمراہ کرتے ہیں مگر ان لوگوں کو قتل اور کفر کا فتویٰ کوئی نہیں دیتا ان کی ہر حرکت بدعت اور شرک سے پُر ہوتی ہے۔ ان کا کوئی کام ایسا نہیں ہوتا جو سراسر اسلام کے خلاف نہ ہو۔ مگر ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاتا۔ ان کے لیے کسی دل میں جوش نہیں اٹھتا غرض اس میں میں سوچتا تھا کہ کیا حکمت ہے تو میری سمجھ میں آیا کہ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ صادق کا ایک معجزہ ظاہر کرے۔ کہ باوجود اس قسم کی ممانعت کی اور دشمن کے تیر و تبر کے چلانے کے صادق بچایا جاتا اور اس کی روز افزوں ترقی کی جاتی ہے خدا کا ہاتھ اسے بچاتا اور اس کو شاداب و سرسبز کرتا ہے۔ خدا کی غیرت نہیں چاہتی کہ کاذب کو بھی اس معجزہ میں شریک کرے۔ اسی واسطے اس کی طرف سے دنیا کے دلوں کو بے پروا کر دیتا ہے۔ گویا اس جھوٹے کی کسی کو یہ پروا نہیں ہوتی۔ اس کا وجود دلوں کو تحریک نہیں دے سکتا۔ مگر برخلاف اس کے صادق کا وجود تباہ ہونے والے دلوں کو بے قرار اور بے چین کر کے ایک رنگ میں ایک طرح سے خبر دیتا ہے اور ان کے دل بے قرار ہوتے ہیں۔ کیونکہ دل اندر ہی اندر جانتے ہیں کہ یہ شخص ہمارا کاروبار تباہ کرنے آیا ہے۔ اس واسطے نہایت اضطراب کی وجہ سے اس کے ہلاک کرنے کو اپنے تمام ہتھیاروں سے دوڑتے ہیں مگر اس کا خدا خود محافظ ہوتا ہے۔ خدا خود اس کے واسطے طاعون کی طرح واعظ بھیجتا اور اس کے دشمنوں کے واعظوں پر اسے غلبہ دیتا ہے۔ وہ خدا کے واعظ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اب دیکھیے کہ اتنے لوگ جو ہر جمعہ کو جن کی نوبت اکثر پچاس ساٹھ تک پہنچ جاتی ہے انکو کون بیعت کے لیے لاتا ہے؟ یہی طاعون کا ڈنڈا ہے جو ان کو ڈرا کر ہماری طرف لے آتا ہے ورنہ کب جاگنے والے تھے اسی فرشتہ نے ان کو جگایا ہے۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 244-246 ایڈیشن 2016ء)

- مستورات کا ذکر چل پڑا۔ ان سے متعلق احمدی احباب میں سے ایک سر برآوردہ ممبر کا ذکر سنایا کہ ان کے مزاج میں اوّل سختی تھی۔عورتوں کو ایسا رکھا کرتے تھے جیسے زندان میں رکھا کرتے ہیں اور ذرا وہ نیچے اترتیں تو ان کو مارا کرتے لیکن شریعت میں حکم ہے عَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ (النّسِاء:20) نمازوں میں عورتوں کی اصلاح اور تقویٰ کے لیے دعا کرنی چاہیے۔ قصاب کی طرح برتاؤ نہ کرے کیونکہ جبتک خدا نہ چاہے کچھ نہیں ہوسکتا مجھ پر بھی بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ عورتوں کو پھراتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ میرے گھر میں ایک ایسی بیماری ہے کہ جس کا علاج پھرانا ہے جب ان کی طبیعت زیادہ پریشان ہوتی ہے تو بدیں خیال کہ گناہ نہ ہو کہا کرتا ہوں چلو پھرا لاؤں اَور بھی عورتیں ہمراہ ہوتی ہیں۔

پھر خدا تعالیٰ کے مکالمہ اور مخاطبہ کی نسبت ذکر پر فرمایا کہ:۔

مجازی عدالتوں کی طرف سے جو ایک لقب انسان کو ملتا ہے تو اسے کتنا فخر ہوتا ہے۔ ستارۂ ہند لقب وغیرہ بھی ملتے ہیں تو کیا اب حقیقت میں ان لوگوں میں وہ خواص ہوتے ہیں؟ جو لقب ان کو ملتا ہے صرف استعارہ ہوتے ہیں۔

(ملفوظات جلد چہارم صفحہ 252 ایڈیشن 2016ء-حاشیہ)

(ترتیب و کمپوزنگ: خاقان احمد صائم وفضلِ عمر شاہد، لٹویا)

بقیہ: فرمان خلیفۂ وقت...... از صفحہ 1

میں ایک واقعہ ملتا ہے جس میں اولاد ہونے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک شخص کے لئے دعا ہے۔ لیکن اس دعا کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مشروط کر دیا اور مشروط کیا اس شخص کے اپنے اندر پاک تبدیلی پیدا کرنے سے۔ وہ شخص ابھی احمدی بھی نہیں تھا۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت میں نہیں آیا تھا لیکن شاید اس کی کوئی نیکی تھی جس کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے لئے دعا کی۔ یہ منشی عطا محمد صاحب پٹواری ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں غیر احمدی تھا۔ دین سے دُور ہٹا ہوا تھا۔ ان کے ایک دوست تھے وہ انہیں احمدیت کی تبلیغ کیا کرتے تھے لیکن کہتے ہیں میں نے کبھی توجہ نہیں کی۔ ایک دن انہوں نے مجھے بہت زیادہ اس بارے میں کہا اور میرے پیچھے پڑ گئے کہ میری باتیں سنو اور ان پہ غور کرو۔ مَیں نے کہا اچھا اگر آپ یہی کہتے ہیں تو میں آپ کو ایک دعا کے لئے کہتا ہوں۔ اگر وہ سنی گئی تو پھر میں غور کروں گا۔ آپ کہتے ہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں تو ان کو میرے لئے دعا کے لئے کہیں اور دعا اس بات کی ہے کہ میری تین بیویاں ہیں کسی کی اولاد نہیں ہے۔ ایک کے بعد دوسری شادی مَیں نے کی تا کہ اولاد پیدا ہو۔ یہ دعا کریں کہ مجھے بیٹا عطا ہو اور بیٹا بھی پہلی بیوی سے ہو۔ کہتے ہیں یہ خط انہوں نے میری طرف سے لکھ دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد مولوی عبدالکریم صاحب کی طرف سے جواب آیا کہ حضور نے دعا کی ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعا کی ہے اور فرمایا کہ آپ کو بیٹا عطا ہو گا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ زکریا والی توبہ کریں۔ منشی صاحب کہتے ہیں مَیں ان دنوں میں سخت بے دین تھا۔شرابی کبابی اور راشی ہوا کرتا تھا۔ رشوت لینا میرا عام کام تھا۔ مجھے کیا پتا ہونا تھا کہ زکریا والی توبہ کیا ہوتی ہے۔ کہتے ہیں میں یہ پتا کرنے کے لئے کہ زکریا والی توبہ کیا ہے مسجد میں گیا تو مسجد کا امام مجھے مسجد میں دیکھ کر حیران ہوا کہ یہ شرابی کبابی کہاں سے آ گیا۔ لیکن بہرحال جب مَیں نے سوال کیا تو میرے سوال کا وہ جواب نہیں دے سکا۔ کہتے ہیں پھر مَیں مولوی فتح دین صاحب احمدی کے پاس دوسرے گاؤں میں گیا۔ ان سے پوچھا تو انہوں نے کہا کہ زکریا والی توبہ بس یہ ہے کہ بے دینی چھوڑ دو۔ حلال کھاؤ۔ نماز روزے کے پابند ہو جاؤ اور مسجد میں زیادہ آیا کرو۔ کہتے ہیں یہ سن کر مَیں نے ایسا کرنا شروع کر دیا۔شراب چھوڑ دی۔ رشوت لینی بند کر دی۔ نماز روزے کا پابند ہو گیا۔ کہتے ہیں چار پانچ مہینے کا عرصہ گزرا ہو گا کہ ایک دن میری بڑی بیوی رونے لگی۔ خیر اس کو دائی سے چیک کروایا تو اس نے جو بات کی اور وہ اس طرف شک کا اظہار تھا کہ شاید اولاد ہونے والی ہے۔ بہرحال اس کی بات سن کر میں نے اس سے کہا کہ میں نے مرزا صاحب سے دعا کروائی ہے۔ یہ اولاد ہونے کی نشانی ہے۔ شک والی کوئی بات نہیں۔ کہتے ہیں کچھ عرصہ بعد حمل کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے تو مَیں نے لوگوں کو بتانا شروع کر دیا کہ میرے بیٹا پیدا ہو گا اور صحتمند اور خوبصورت بھی ہو گا۔ چنانچہ بیٹا پیدا ہوا۔ اور کہتے ہیں اس کے بعد میں نے بیعت کر لی اور اس علاقے کے بہت سے اَور لوگوں نے بھی بیعت کی۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ 14 جولائی 2017ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

خطاب جلسہ سالانہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 26؍ دسمبر 2021ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یوکے

اسلام کی تعلیم ہی اپنی اصلی حالت میں ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم ہے جو ایک خوبصورت معاشرہ قائم کرنے کے لیے اعلیٰ ترین تعلیم ہے

- حقوق کی ادائیگی معاشرے کے امن و سلامتی کی ضمانت ہے
- بدلہ کینہ رکھنے اور دشمنیاں جاری رکھنے کے لیے نہیں ہے نہ انتقام ہے بلکہ مقصد اصلاح ہونا چاہیے
- امن قائم رکھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک یہ سنہری اصول بتایا کہ ظالم اور مظلوم دونوں سے ہمدردی کرو
- اللہ تعالیٰ کی تعلیم پر عمل کرنے والا بدظنی کے بجائے حسن ظنی رکھتا ہے اور حسن ظن رکھنے والا دوسرے کے عیب تلاش کر ہی نہیں سکتا
- احمدیوں کو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے ایسی مثالیں قائم کرنی چاہئیں جیسی صحابہ نے قائم فرمائی تھیں
- تکبر کرکے کوئی حقیقی مقام نہیں ملتے، عاجزی ہی ہے جو حقیقی سرداری دیتی ہے اور لیڈر بناتی ہے اور یہی سرداری ہے جو دیرپا امن قائم کرنے والی بن سکتی ہے
- دنیا میں انفرادی و اجتماعی امن کے قیام کی بابت اسلامی راہنما اصولوں کا بصیرت افروز بیان

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿۱﴾

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۳﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۴﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۵﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ﴿۷﴾

آج قادیان کے جلسہ سالانہ کا آخری دن ہے، یہ آخری سیشن ہے۔ اسی طرح افریقہ کے ایک ملک گنی بساؤ میں بھی جلسہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے بھی درخواست کی تھی کہ ہمیں بھی شامل کر لیں اور اسی لیے بعض جگہ ٹیلیویژن پہ ان کو بھی دکھایا جا رہا ہے، یہ ان کا سین (scene) ہے وہاں بھی جلسہ ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان جلسے کے دنوں میں اَور بھی ملک ہیں جہاں جلسے ہوں گے اور ہو رہے ہیں۔ بہرحال قادیان کے جلسے کے ساتھ ہی ان کا بھی جلسہ تھا اس لیے اس کا ذکر ہوگیا۔ اب مَیں اپنے مضمون کی طرف آتا ہوں۔

ہم یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ

اسلام کی تعلیم ہی اپنی اصلی حالت میں ہونے کی وجہ سے وہ تعلیم ہے جو ایک خوبصورت معاشرہ قائم کرنے کے لیے اعلیٰ ترین تعلیم ہے۔

یہی وہ تعلیم ہے جس پر حقیقی رنگ میں اگر عمل کیا جائے تو خدا تعالیٰ کے قریب بھی کرتی ہے اور پھر اس قرب کی وجہ سے اور خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنے کی خواہش اور کوشش کی وجہ سے ایک حقیقی مسلمان کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف بھی ایسی راہنمائی کرتی ہے جو بے مثال ہے۔

یہ حقوق کی ادائیگی ہے جو معاشرے کے امن و سلامتی کی بھی ضمانت ہے۔

آج کل امن و سلامتی کی باتیں ہوتی ہیں کہ کس طرح دیرپا امن قائم کیا جائے۔ مقامی سطح سے لے کر بین الاقوامی سطح تک فتنہ و فساد اور جنگوں کے امکانات بڑھ رہے ہیں۔ یہ بیماری جس نے تمام دنیا کو آج کل ہلا کر رکھ دیا ہے یعنی کووِڈ 19 کی بیماری، اس نے بھی دلوں کی کدورتیں دور نہیں کیں، قوموں کے ایک دوسرے پر فوقیت کے خناس کو دور نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کی اس وارننگ سے انسان کوئی سبق نہیں حاصل کر رہا اور اگر یہ رویہ اسی طرح قائم رہا جو لوگوں کا، قوموں کا ہے تو بڑے خطرناک نتائج پیدا ہوں گے۔ بہرحال اس وقت میں

اسلام کی امن و سلامتی کی تعلیم کے بارے میں چند پہلو

بیان کروں گا جن پر اگر حقیقت میں عمل ہو تو دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکتی ہے۔ یہی باتیں ہیں جو دنیا کے امن کی ضمانت ہیں جو اسلام نے پیش کی ہیں۔قرآن کریم کی تعلیم کی روشنی میں یہ باتیں میں بیان کروں گا۔

سب سے پہلے ہم اس پہلو کو لیتے ہیں کہ

مذہبی رواداری کو قائم رکھنے کے بارے میں اسلام کیا کہتا ہے۔

گو آجکل دنیا کی اکثریت مذہب سے دور ہو رہی ہے لیکن پھر بھی ایک طبقہ ایسا ہے جو مذہب کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف مذہب کے حوالے سے بات کرتا ہے اور اپنے مذہب کی برتری ثابت کرنے کے لیے دوسرے مذہب پر اعتراض کرنا اور اسے استہزا کا نشانہ بنانا ضروری سمجھتا ہے۔ یا مذہب کو نہ بھی لیں تب بھی مذہب کے حوالے سے اسلام پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسلام دوسروں کو کچھ نہیں پوچھتا۔ جبکہ اسلام اس بات کو مکمل ردّ کرتا ہے کہ ایک دوسرے کے مذہب کا استہزا کیا جائے۔ اسلام کہتا ہے کسی مذہب کے بانی کو اس پر الزام لگا کر غلط نہ کہو یا غلط کہہ کر الزام نہ لگاؤ۔ اسلام بیشک یہ بات پیش کرتا ہے کہ وہ آخری مذہب ہے اور ہر قسم کی تعلیم کا احاطہ کیے ہوئے ہے لیکن یہ نہیں کہتا کہ دوسرے مذاہب کے بانی جھوٹے تھے۔

اسلام کہتا ہے کہ دنیا کی ہر قوم میں خدا تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی کے لئے خدا تعالیٰ کے نبی آئے۔

فرماتا ہے۔ اِنَّاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ بِالۡحَقِّ بَشِیۡرًا وَّ نَذِیۡرًا ؕ وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ۔(الفاطر: 25) کہ یقیناً ہم نے تجھے حق کے ساتھ بشیر اور نذیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور کوئی امت نہیں مگر ضرور اس میں کوئی ڈرانے والا گزرا ہے۔ پس یہ بڑا واضح فرق ہے اسلام کی تعلیم میں اور دوسرے مذاہب کی تعلیم میں۔ وہ صرف اپنے مذہب اور اپنی تعلیم کو ہی سچا سمجھتے ہیں لیکن اس تعلیم کے مطابق جو قرآن کریم نے ہمیں دی ہے مسلمان پہ فرض ہے کہ یہ تسلیم کریں کہ ہر قوم میں نبی آئے ہیں اور جب ہر قوم میں نبی کو مانیں گے تو پھر وہ یہ کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ تمہارا نبی جھوٹا ہے۔ دوسرے مذاہب والے بعض دفعہ گندے الزامات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر لگاتے ہیں یا لگا سکتے ہیں لیکن ایک مسلمان حضرت موسیٰ کو حضرت عیسیٰ کو یا ہندوؤں کے اوتاروں کو عزت اور احترام سے ہی پکاریں گے۔

ہمیں اس زمانے میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے خوبصورت انداز میں یہ باتیں بیان فرمائی ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں ’’میرا یہ مذہب نہیں ہے کہ اسلام کے سوائے باقی سب مذاہب کی بنیاد ہی جھوٹ پر رکھی گئی ہے۔ میرا یہ ایمان ہے کہ وہ خدا جو تمام مخلوق کا خدا ہے وہ سب پر نظر رکھتا ہے اور جیسا وہ سب کی جسمانی ضروریات کو پورا کر رہا ہے ایسا ہی روحانی ضروریات کو بھی پورا کرتا ہے۔ یہ سچ نہیں کہ دنیا کی ابتدا سے اس نے صرف ایک ہی قوم کو چن لیا ہے اور دوسروں کی کچھ پرواہ نہیں کی۔ ہاں یہ سچ ہے کہ کبھی کسی قوم پر وہ وقت آجاتا ہے اور کبھی کسی پر۔ میں یہ باتیں کسی کو خوش کرنے کے لئے نہیں کہتا بلکہ خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا ہے کہ راجہ رامچندر اور کرشن جی وغیرہ بھی خدا کے راستباز بندے تھے اور اس سے سچا تعلق رکھتے تھے۔ میں اس شخص سے بیزار ہوں جو ان کی نندیا یا توہین کرتا ہے۔ اس کی مثال کنوئیں کے مینڈک کی سی ہے جو سمندر کی وسعت سے ناواقف ہے۔ جہاں تک ان لوگوں کے صحیح سوانح معلوم ہوتے ہیں ان سے پایا جاتا ہے کہ ان لوگوں نے خدا کی راہ میں بڑے بڑے مجاہدات کیے اور کوشش کی کہ اسی راہ کو پائیں جو خدا تعالیٰ تک پہنچنے کی حقیقی راہ ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ وہ راستباز نہ تھے وہ قرآنِ شریف کے خلاف کہتا ہے کیونکہ اس میں فرمایا ہے۔ اِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ۔

یعنی کوئی قوم اور امت ایسی نہیں گذری جس میں کوئی نذیر نہ آیا ہو۔ پس اس میں شک نہیں کہ ابتداء میں ان تمام مذاہب کی بنیاد حق اور راستی پر تھی مگر مرورِ زمانہ سے ان میں طرح طرح کی غلطیاں داخل ہوگئیں

یہاں تک کہ اصل حقیقت انہیں غلطیوں کے نیچے چھپ گئی۔‘‘

(تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد سوم صفحہ 116-117)

پھر آپؑ فرماتے ہیں کہ ’’جیسا کہ خدا ہر ایک ملک کے باشندوں کے لئے ان کے مناسب حال ان کی جسمانی تربیت کرتا آیا ہے ایسا ہی اس نے ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم کو روحانی تربیت سے بھی فیضیاب کیا ہے۔ جیسا کہ وہ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَ اِنۡ مِّنۡ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِیۡهَا نَذِیۡرٌ۔ کوئی ایسی قوم نہیں جس میں کوئی نبی یا رسول نہیں بھیجا گیا ......

خدا کا فیض عام ہے جو تمام قوموں اور تمام ملکوں اور تمام زبانوں پر محیط ہو رہا ہے۔

یہ اس لئے ہوا کہ تا کسی قوم کو شکایت کرنے کا موقعہ نہ ملے اور یہ نہ کہیں کہ خدا نے فلاں فلاں قوم پر احسان کیا مگر ہم پر نہ کیا یا فلاں قوم کو اس کی طرف سے کتاب ملی تا وہ اس سے ہدایت پاویں مگر ہم کو نہ ملی یا فلاں زمانہ میں وہ اپنی وحی اور الہام اور معجزات کے ساتھ ظاہر ہوا مگر ہمارے زمانہ میں مخفی رہا۔ پس اس نے عام فیض دکھلا کر ان تمام اعتراضات کو دفع کر دیا اور اپنے ایسے وسیع اخلاق دکھائے کہ کسی قوم کو اپنے جسمانی اور روحانی فیضوں سے محروم نہیں رکھا اور نہ کسی زمانہ کو بے نصیب ٹھہرایا۔‘‘

(پیغام صلح، روحانی خزائن جلد 23 صفحہ 442)

پس یہ ہیں وہ خوبصورت باتیں جن سے معاشرے میں امن اور رواداری قائم ہوسکتی ہے۔ آج کل مسلمانوں کے خلاف یا بانیٔ اسلام حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف وقتاً فوقتاً باتیں کی جاتی ہیں۔ وہ امن کو برباد کرنے میں تو شاید مدد کرسکیں، ممد ہوں، امن قائم کرنے میں کوئی کردار ادا نہیں کرسکتیں۔ پس ہماری تعلیم تو یہ ہے کہ ہر مذہب کے ماننے والوں کی عزت کرو اور ہر مذہب کے بانی کی عزت کرو۔

پھر ایک غلط تصور اسلامی تعلیم اور تاریخ سے ناواقفیت کی وجہ سے یہ قائم ہوگیا ہے کہ اسلام شدت پسند مذہب ہے اور زبردستی اس تعلیم کی وجہ سے ابتدا میں لوگوں کو اسلام میں داخل کیا گیا ہے اور اب بھی اسی طرح کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ یہ ایک ایسا الزام ہے جس کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ قرآن کریم کو جب ہم دیکھیں تو بے شمار جگہ قرآن کریم جبر کی تعلیم کی نفی کرتا ہے اور جبر سے روکتا ہے جیسا کہ فرمایا وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ كُلُّهُمۡ جَمِیۡعًا اَفَاَنۡتَ تُكۡرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوۡنُوۡا مُؤۡمِنِیۡنَ۔ (یونس:100) اور اگر تیرا رب چاہتا تو جو بھی زمانے میں بستے ہیں اکٹھے سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تُو اُن لوگوں کو مجبور کر سکتا ہے حتیٰ کہ وہ ایمان لانے والے ہو جائیں؟ پس اگر دنیا کو جبر سے منوانا ہوتا تو خدا تعالیٰ یہ نہ فرماتا کہ تو لوگوں کو اسلام لانے کے لیے مجبور نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھ میں یہ طاقت ہے کہ میں سب کو مسلمان بنا سکتا ہوں لیکن میں نے یہ نہیں کیا اور جب اللہ تعالیٰ نے نہیں کیا تو پھر نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور نہ ہی آپ کے ماننے والوں کو یہ اختیار ہے کہ کسی کو جبر سے مسلمان بنا لیں۔

پس تبلیغ کا حکم ہے، اسلام کا پیغام پہنچانے کا حکم ہے، دوسروں کو راستہ دکھانے کا حکم ہے اور یہ راستہ دکھا کر پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ قُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّكُمۡ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّ مَنۡ شَآءَ فَلۡیَكۡفُرۡ۔ (الکہف:30) اور کہہ دے کہ حق وہی ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے پس جو چاہے وہ ایمان لے آئے اور جو چاہے سو انکار کر دے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ بتا دیا کہ یہ تعلیم سچی ہے، تمہارے فائدے کے لیے ہے۔ مان لو تو بہتر ہے، نہ مانو تو پھر تمہاری مرضی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اگلے جہان میں حساب کتاب کرے گا، پھر دنیا کا معاملہ ختم ہوگیا۔ اس دنیا میں مذہب نہ ماننے کی وجہ سے کسی کو زبردستی کا حق نہیں ہے۔ پس

اسلام دنیا میں مذہب کی وجہ سے کسی کو سزا نہیں دے رہا،

یہ تو مسلمانوں کے بعض علماء نے غلط تشریحیں کر کے، تفسیریں کر کے اسلام کو بدنام کر دیا ہے۔ اگر اسلام کی تاریخ کو دیکھیں اور قرآن کریم کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ لوگوں نے اگر اسلام کی تعلیم قبول کرنے سے انکار کیا تو یہ بات کر کے کیا کہ ہم اسلام کو قبول کر کے گھر سے بے گھر ہو جائیں گے، وطن سے بے وطن ہو جائیں گے۔ جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے وَ قَالُوۡۤا اِنۡ نَّتَّبِعِ الۡهُدٰی مَعَكَ نُتَخَطَّفۡ مِنۡ اَرۡضِنَا اَوَ لَمۡ نُمَكِّنۡ لَّهُمۡ حَرَمًا اٰمِنًا یُّجۡبٰۤی اِلَیۡهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیۡءٍ رِّزۡقًا مِّنۡ لَّدُنَّا وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ لَا یَعۡلَمُوۡنَ۔ (القصص: 58) اور انہوں نے کہا اگر ہم تیرے ہمراہ ہدایت کی پیروی کریں گے تو ہم اپنے وطن سے نکال پھینکے جائیں گے۔ کیا ہم نے انہیں پُر امن حرم میں سکونت نہیں بخشی؟ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تو یہی کہتے ہیں لیکن کیا ہم نے حرم میں سکونت نہیں بخشی) جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں اور یہ ہماری طرف سے بطور رزق ہیں لیکن ان میں سے اکثر علم نہیں رکھتے۔

پس یہاں تو غیر مسلموں کے خوف سے اسلام قبول نہیں کیا جا رہا، ان لوگوں کے خوف سے اسلام نہیں قبول کیا جا رہا جو اسلام کے خلاف ہیں۔ کہتے ہیں کہ اگر ہم نے تجھے مان لیا تو یہ لوگ تو ہمیں کھا جائیں گے، ختم کر دیں گے یا ہمیں غلام بنالیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر یہ عقل سے کام لیں تو دیکھیں کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے مکہ کی حفاظت فرمائی ہے اور یہاں ہر قسم کی نعمتیں جمع کی ہیں لیکن نہیں، یہ اس بات کو نہیں دیکھتے اور دنیا کا خوف غالب ہے اور اسلام کو قبول کرنے سے محروم ہو رہے ہیں۔ پس یہاں خوف ہے اور اپنا امن برباد ہونے کا خطرہ ان کو پیش ہے، اسلام سے کوئی خطرہ نہیں ہے بلکہ دنیاوی بادشاہوں سے خطرہ ہے۔

افسوس ہے کہ آج مسلمان حکومتیں اس بات کو نہیں سمجھ رہیں اور اسلام کی تعلیم کے بارے میں بھی غلط تصور قائم ہو رہا ہے کہ نعوذ باللہ یہ شدت پسند اور شر پھیلانے والا مذہب ہے۔

اگر آج بھی مسلمانوں کے عمل اس تعلیم کے مطابق ہو جائیں تو دنیا کی اسلام کی طرف توجہ پیدا ہو جائے اور مسلمان بھی دیکھیں گے کہ خدا تعالیٰ کی طرف حقیقی رجوع سے اور دنیاوی خداؤں کو چھوڑنے سے جہاں دنیا میں امن قائم ہو گا وہاں مسلمانوں کی اپنی ساکھ اور عزت اور وقار بھی کئی گنا بڑھے گا۔ اور یہ اس وقت ہو گا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام صادق اور زمانے کے امام کو مانیں گے جو دنیا میں امن و سلامتی کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے۔

پھر

اللہ تعالیٰ نے امن قائم کرنے کے لیے ایک یہ اصول بتایا ہے

اور یہ اصول اپنوں سے لے کر غیروں تک ہر ایک پر لاگو ہوتا ہے۔ اپنے معاشرتی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں سے لے کر دشمن کی بڑی بڑی تدبیروں اور دشمنیوں پر یہ حاوی ہے اور وہ ہے کہ

کسی غلطی اور دشمنی پر معاف کرنا یا سزا دینا۔

اور یہ حکم دو مختلف موقعوں اور حالات کے مطابق ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثۡلُهَا فَمَنۡ عَفَا وَ اَصۡلَحَ فَاَجۡرُهٗ عَلَی اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیۡنَ۔ (الشوریٰ: 41) اور بدی کا بدلہ کی جانے والی بدی کے برابر ہوتا ہے پس جو کوئی معاف کرے بشرطیکہ وہ اصلاح کرنے والا ہو تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔ یقیناً وہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا۔ پس واضح ہوگیا، پہلی بات

یاد رکھو کہ دشمنیوں کو اتنا نہ بڑھاؤ کہ ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہو جائے۔

اس لیے اگر کوئی برائی کرتا ہے تو اس برائی کے برابر ہی اس کا بدلہ لینا چاہیے لیکن یاد رکھو کہ

بدلہ کینہ رکھنے اور دشمنیاں جاری رکھنے کے لیے نہیں ہے نہ انتقام ہے بلکہ مقصد اصلاح ہونا چاہیے

اور اس بات کو ہمیشہ سامنے رکھیں کہ اصلاح کس چیز سے ہوتی ہے سزا دینے سے، بدلہ لینے سے یا معاف کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر معاف کرنے سے اصلاح ہوتی ہے تو معاف کر دو اور اس معاف کرنے کا اجر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دشمن سے بھی دو قسم کے سلوک کی تعلیم دی ہے۔ سزا دینے کی یا معاف کرنے کی لیکن مقصد واضح کر دیا کہ مقصد اصلاح کرنا ہے۔ اگر ہم اس سوسائٹی کا تصور کریں جہاں دشمنیاں سالوں بلکہ نسلوں تک چلتی تھیں ان میں

اس حکم نے اسلام قبول کرنے کے بعد ایک انقلاب پیدا کر دیا۔

پرانے زمانے کے جہالت کے رویے آج بھی ہمیں بعض قوموں میں نظر آتے ہیں اور دشمنیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چل رہا ہے اور مسلمانوں کے خلاف تو بغض و کینہ انتہا تک پہنچا ہوا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کے اندر بھی یہ بات ہے۔ بعض ترقی یافتہ ملکوں کے اپنے رہنے والے بعض لوگوں میں بلکہ سیاستدانوں میں بھی یہ بغض اور کینہ پل رہا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر امن قائم رکھنا ہے تو یہ تعلیم ہے، اس تعلیم کو جاری کرو گے تو یہی حقیقی سلامتی پہنچانے کا ذریعہ ہے۔ اگر دنیا اس اصول کو اپنا لے تو دنیا میں حقیقی امن قائم ہو گا اور بے جا عداوت اور دشمنی دور ہو گی۔ پس کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ تعلیم ایسی ہے جس میں دشمنیوں کا مکمل خاتمہ نہیں ہے۔

پھر

امن قائم رکھنے کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک یہ سنہری اصول بتایا کہ ظالم اور مظلوم دونوں سے ہمدردی کرو۔

اب مظلوم سے ہمدردی تو واضح ہے کہ کس طرح کرنی ہے ظالم کی ہمدردی کس طرح کی جائے؟ تو آپؐ نے فرمایا کہ ظالم کو ظلم سے روک کر اس سے ہمدردی کرو۔

(صحیح البخاری کتاب الاکراہ باب من الاکراہ حدیث ۶۹۵۲)

پس ترقی یافتہ ممالک میں بھی اور ترقی پذیر ممالک میں بھی، چاہے معاشرے کی بنیادی اور چھوٹی اکائی کو دیکھیں یا ملکوں کے اندر مختلف قومیتوں اور رنگ و نسل کے تعلقات میں دیکھیں یا ملکوں کی سطح پر بین الاقوامی تعلقات کو دیکھیں، اس چیز کی بہت بڑی کمی نظر آتی ہے۔ جو بھی فریقین میں فیصلہ کرنے والے ہیں، امن قائم کرنے والے ہیں ان کا میلان ایک طرف ہوتا ہے۔ یو این او (UNO) بنی ہوئی ہے، اس کا میلان بھی اب دیکھ لیں ایک طرف ہے۔ یا تو مظلوم سے اس حد تک ہمدردی کہ وہ ایک وقت میں آ کر ظالم بن جائے یا ظالم کی اس حد تک طرفداری کہ مظلوم کا جینا دوبھر ہو جائے۔ پس

پائیدار امن اس وقت قائم ہو سکتا ہے جب متوازن رویہ ہر سطح کے بااختیار لوگ اپنائیں۔

دونوں طرف کی باتیں اور نکتہ نظر سنیں اور پھر سمجھائیں اور کدورتوں کو دور کریں۔

پھر

ایک برائی جس سے اسلام بڑی سختی سے روکتا ہے بدظنی ہے۔

بدظنی سے انسان اپنے دل کو بھی دوسروں کے خلاف بغض اور کینے سے بھرتا ہے اور معاشرے کا امن اور سکون بھی برباد کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بدظنی گناہ ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّ لَا تَجَسَّسُوْا وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ (الحجرات:13) اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ظن سے بکثرت اجتناب کیا کرو۔ یقیناً بعض ظن گناہ ہوتے ہیں۔ اور تجسس نہ کیا کرو۔ اور تم میں سے کوئی کسی دوسرے کی غیبت نہ کرے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے؟ پس تم اس سے سخت کراہت کرتے ہو۔ اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ یقیناً اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پس ایک تو واضح فرمایا کہ بعض ظن گناہ کی طرف لے جاتے ہیں اور دوسرے فرمایا وَ لَا تَجَسَّسُوْا۔ تجسس نہ کیا کرو اور دوسرے کے عیب تلاش نہ کیا کرو۔ بدظنی سے انسان دوسرے کے عیب تلاش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایک بدظنی دل میں پیدا ہوئی اور فوری جس کے خلاف بدظنی پیدا ہوئی اس کے عیب تلاش کرنے شروع کر دیے۔

اللہ تعالیٰ کی تعلیم پر عمل کرنے والا بدظنی کے بجائے حسن ظنی رکھتا ہے اور حسن ظن رکھنے والا دوسرے کے عیب تلاش کر ہی نہیں سکتا۔

صحابہ تو اس حد تک حسن ظن رکھتے تھے کہ اس کی مثال ہی نہیں ملتی۔ حضرت مصلح موعودؓ نے ایک موقع پر ایک صحابی کا حسن ظن کا واقعہ بیان کیا۔ اس واقعہ میں صرف حسن ظن ہی نہیں ہے بلکہ سچائی اور امانتداری کے اعلیٰ معیار کا بھی سبق ہے کہ اس کی وجہ سے کس طرح دشمنی دوستی میں بدل گئی اور امن اور بھائی چارے کی فضا قائم ہو گئی۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت عمرؓ کے دورِ خلافت میں ایک شخص پر قتل کا مقدمہ چلا اور اس مقدمہ میں اس شخص کے خلاف قضا نے فیصلہ دیا اور قاتل کو قتل کیے جانے کی سزا ہوئی۔ اس شخص نے یہ درخواست کی کہ میرے پاس بہت سے یتیموں کی امانتیں ہیں۔ مجھے اتنی مہلت دی جائے کہ میں جا کر ان امانتوں کو ادا کر آؤں اور اس کے لیے مجھے چند دن کی مہلت دے دیں۔ میں اتنے دن بعد حاضر ہو جاؤں گا۔ جب اس سے کوئی ضمانت مانگی گئی تو اس نے اِدھر اُدھر دیکھ کر وہاں کھڑے ہوئے ایک صحابی حضرت ابوذرؓ کی طرف اشارہ کیا کہ یہ میرے ضامن ہیں۔ جب ابوذرؓ سے پوچھا گیا کہ آپؓ اس کی ضمانت دینے کے لیے تیار ہیں تو انہوں نے کہا ہاں۔ اور اس ضمانت پر اس کو گھر جانے کی اجازت دے دی گئی۔ جب وہ مقررہ دن آیا جس دن اس شخص نے حاضر ہونا تھا تو صحابہ گھبراہٹ میں اِدھر اُدھر دیکھنے لگے کیونکہ بہت دیر ہو گئی تھی اور وہ شخص نہیں آیا تھا۔ بعض لوگوں نے حضرت ابوذرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کو معلوم ہے وہ شخص کون ہے جس کی آپ نے ضمانت دی ہے؟ انہوں نے کہا میں تو اسے ذاتی طور پر نہیں جانتا۔ صحابہ نے کہا عجیب بات ہے۔ اس کا جرم قتل تھا اور آپؓ نے بغیر اسے جاننے کے اس کی ضمانت دے دی۔ یہ آپ نے کیا کیا ہے؟ اگر وہ نہ آیا تو آپ کی جان جائے گی۔ انہوں نے کہا کہ بے شک میں اسے نہیں جانتا لیکن

جب ایک مسلمان نے ضمانت کے لیے میرا نام لیا تو مَیں کس طرح انکار کر سکتا تھا اور کس طرح اس پر بدظنی کر سکتا تھا۔

یہ ہے وہ معیارِ حسن ظنی کا جو صحابہ میں تھا۔ ایک شخص جس کو وہ جانتے بھی نہیں اس کی ضمانت صرف اس لیے دے دی کہ وہ بدظنی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ بہرحال جب وقت بالکل ختم ہونے والا تھا تو لوگوں نے دور سے مٹی اُڑتی دیکھی اور دیکھا کہ ایک سوار گھوڑے کو تیز دوڑاتا ہوا آ رہا ہے۔ سب کی نظریں اس کی طرف تھیں۔ جب وہ قریب آیا تو دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جس کی ضمانت دی گئی تھی۔ وہ گھوڑے سے اترا اور کہا معاف کرنا مجھے امانتیں واپس کرتے ہوئے کچھ وقت لگ گیا تھا جس کی وجہ سے کچھ دیر ہو گئی۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ میں وقت پر پہنچ گیا۔ اب میں تیار ہوں۔ جو سزا مقرر ہے میرے لیے مجھے دے دیں۔ اس کی اس بات کو ان لوگوں پر جن کا جرم کیا گیا تھا اتنا اثر ہوا کہ انہوں نے قاضی کو کہا کہ ہم نے اپنا جرم اس شخص کو معاف کیا۔ پس یہ وہ نیک ظن لوگ تھے جو بدظنی کرنا جانتے ہی نہیں تھے اور پھر اللہ تعالیٰ بھی ان کے حسن ظن کو پورا کر دیتا تھا۔

(ماخوذ از سیر روحانی (2)، انوار العلوم جلد 16 صفحہ 65 تا 67)

اور یہ وہ لوگ تھے جو سچائی پر قائم تھے اور اپنی جان بھی سچائی پر قربان کرنے والے تھے۔ عہدوں کا پاس کرنے والے تھے۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن سے معاشرے میں امن قائم ہوتا ہے۔ سخت ترین دشمن کو سزا دلوانے کی کوشش معافی اور رحم میں بدل جاتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ظلم سے بھی روکا ہے

یہ کہہ کر کہ وَ لَا یَغْتَبْ بَّعْضُکُمْ بَعْضًا۔ ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرو۔ غیبت بھی ایک طرح کا ظلم ہے۔ اس سے دوسرے کی عزت پر حملہ ہوتا ہے۔ جس کی غیبت کی جائے یا تو وہ غیبت کرنے والے کی کمزوریوں کا مجلسوں میں ذکر کرتا ہے یا پھر براہ راست لڑائی کرتا ہے۔ دونوں صورتوں میں معاشرے کا امن برباد ہوتا ہے۔ پس فرمایا کہ غیبت نہیں کرنی اور اسے نفرت دلانے کے لیے فرمایا کہ غیبت کرنا ایسا ہی ہے جیسے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھانا جس سے ہر ایک کو سخت کراہت آتی ہے۔ پس اسلام نے تو امن اور سلامتی کے قائم کرنے کے یہ معیار قائم کیے ہیں۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بارے میں فرماتے ہیں ’’بعض گناہ ایسے باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان میں مبتلا ہوتا ہے اور سمجھتا ہی نہیں۔ جوان سے بوڑھا ہو جاتا ہے مگر اسے پتہ نہیں لگتا کہ گناہ کرتا ہے۔ مثلاً گلہ کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ اس کو بالکل ایک معمولی اور چھوٹی سی بات سمجھتے ہیں حالانکہ قرآن شریف نے اس کو بہت ہی بڑا قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا ہے۔ اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا خدا تعالیٰ اس سے ناراض ہوتا ہے کہ انسان ایسا کلمہ زبان پر لاوے جس سے اس کے بھائی کی تحقیر ہو اور ایسی کارروائی کرے جس سے اس کو حرج پہنچے۔ ایک بھائی کی نسبت ایسا بیان کرنا جس سے اس کا جاہل اور نادان ہونا ثابت ہو یا اس کی عادت کے متعلق خفیہ طور پر بے غیرتی یا دشمنی پیدا ہو۔ یہ سب بُرے کام ہیں۔‘‘

(ملفوظات جلد 8 صفحہ 372-373)

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَ لَا تَاۡکُلُوۡۤا اَمۡوَالَکُمۡ بَیۡنَکُمۡ بِالۡبَاطِلِ (البقرۃ: 189) یعنی جھوٹ اور فریب سے ایک دوسرے کے اموال نہ کھایا کرو کیونکہ یہ ظلم ہے، اس سے پھر رنجشیں اور جھگڑے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ معاشرے میں جبکہ مادیت کی دوڑ بہت زیادہ ہو چکی ہے غلط رنگ میں دھوکا دے کر ایک دوسرے کا مال کھانے کی کوشش کی جاتی ہے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی یہ ظلم ہو رہا ہے۔ امیر ممالک غریب ممالک کی دولت غلط رنگ میں مختلف حیلوں بہانوں سے کھا رہے ہیں۔ اب تو بعض افریقن ممالک یہ شور مچانے لگ گئے ہیں کہ ہمیں آزادی دینے کے بعد ان بڑے ممالک نے غلط رنگ میں ہماری دولت پر اس بہانے سے قبضہ کیا ہوا ہے کہ ہم تمہاری ترقی اور حفاظت پر خرچ کر رہے ہیں اور ہر سال کئی کئی ملین ڈالرز اس نام پر لے جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں اب ان ممالک میں ترقی یافتہ ملکوں کے لیے نفرتیں بڑھ رہی ہیں جس کا نتیجہ بہت خوفناک ہوسکتا ہے کیونکہ یہ رقم لے جانے کے بعد ان پر خرچ نہیں کی جاتی بلکہ خود وہ امیر ممالک ہی کھا جاتے ہیں۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ بعض تجارتیں ظلم کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ چھوٹی سطح پر بھی اور بڑی سطح پر بڑی تجارتوں کی شکل میں بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس ظلم سے بچنے کی تلقین فرمائی ہے کہ یہ ظلم معاشرے اور دنیا کے امن اور سلامتی کو برباد کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَیۡلٌ لِّلۡمُطَفِّفِیۡنَ۔ الَّذِیۡنَ اِذَا اکۡتَالُوۡا عَلَی النَّاسِ یَسۡتَوۡفُوۡنَ۔ وَ اِذَا کَالُوۡہُمۡ اَوۡ وَّ زَنُوۡہُمۡ یُخۡسِرُوۡنَ۔ (المطففین:2تا4) ہلاکت ہے تول میں ناانصافی کرنے والوں کے لیے یعنی وہ لوگ کہ جب وہ لوگ تول لیتے ہیں تو بھرپور پیمانوں کے ساتھ لیتے ہیں اور جب ان کو ماپ کر یا تول کر دیتے ہیں تو کم دیتے ہیں۔

پس

اسلام لعنت اور ہلاکت بھیجتا ہے ان لوگوں پر جو دوسروں کے حقوق غصب کرتے ہیں۔

اپنے لیے ان کے اَور پیمانے ہیں اور دوسروں کے لیے اَور پیمانے ہیں۔ ان آیات میں اسلام نے ہر قسم کے ظلم سے روک دیا ہے اور اس طرح سے جان مال اور عزت کو محفوظ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تعلیم دی ہے۔ کیا یہ صرف تعلیم دینے کی حد تک ہے یا مسلمان لوگوں نے اس پر عمل بھی کر کے دکھایا ہے؟ ہم کہتے تو ہیں ناں کہ اسلام کی بڑی خوبصورت تعلیم ہے۔ کیا اس پر کبھی عمل بھی ہوا؟ کیونکہ آج کل تو ہمیں نظر نہیں آتا۔ عام مسلمانوں میں آج کل تو ہمیں شاید مشکل سے ہی اس کی مثالیں نظر آئیں۔ لیکن

احمدیوں کو جنہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مانا ہے ایسی مثالیں قائم کرنی چاہئیں جیسی صحابہ نے قائم فرمائی تھیں۔

کوئی ہم پر یہ انگلی نہ اٹھائے کہ کہتے تو یہ ہیں کہ ہم میں یہ فرق اور یہ فرق، ہم نے مسیح موعود کو مان لیا۔ مان کر اپنے آپ میں فرق کیا پیدا کیا؟ پس ہمارا فرق واضح نظر آنا چاہیے تبھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ مسیح موعود کو مان کر ہمارا آخرین میں شمار ہوا ہے۔ صحابہ کی کیا مثالیں تھیں، کس طرح انہوں نے دوسروں کے مال اور جانوں کی حفاظت کی، امانتوں کی حفاظت کی۔ ایک مثال تو میں پہلے دے آیا ہوں کس طرح ایک حقیقی مومن کو فکر تھی کہ مرنے سے پہلے لوگوں کی، یتیموں کی، کمزوروں کی امانتیں واپس کر دوں پھر چاہے مجھے قتل کر دو کوئی پروا نہیں ہے۔ ایسی حفاظت ہے کہ شاید آج کل کے بینکوں میں بھی اس طرح امانتیں محفوظ نہ ہوں۔

ایک اَور صحابی کا واقعہ ہے کہ وہ بازار میں گھوڑا فروخت کرنے کے لیے لائے اور اس کی قیمت انہوں نے دو سو دینار بتائی۔ وہاں بازار میں ایک دوسرے صحابی نے انہیں کہا کہ تمہارے سے یہ گھوڑا میں خریدنا چاہتا ہوں لیکن تم اس کی قیمت کم بتا رہے ہو۔ اس کی قیمت دو سو دینار نہیں بلکہ پانچ سو دینار ہے اور یہی حقیقی قیمت ہے۔ اس پر پہلے صحابی نے کہا کہ کیا تم نے مجھے صدقہ کھانے والا سمجھا ہوا ہے کہ میں اس کی زیادہ قیمت لے لوں تمہارے سے؟ اس کی اصل قیمت دو سو دینار ہی ہے۔ اب یہاں اس بات پر جھگڑا شروع ہو گیا، بحث شروع ہو گئی کہ بیچنے والا کہتا ہے کہ میں دو سو دینار لوں گا اور خریدنے والا کہتا تھا کہ میں پانچ سو دینار دوں گا۔

(ماخوذ از سیر روحانی (2)، انوار العلوم جلد 16 صفحہ 67)

پس جہاں ایسے لوگ ہوں جن کا ایمانداری کا یہ معیار ہو اس معاشرے میں امن بھی کس شان کا ہو گا۔ پس ایسی مثالیں ہیں جنہوں نے اسلام کی تعلیم کی عملی شکل دکھائی ہے۔ آج کل کے لوگ ہنسیں گے کہ کتنا بیوقوف ہے وہ شخص جو مفت میں آئے منافع کو رد کر رہا ہے۔ بے ایمانی نہیں کر رہا۔ اپنی طرف سے صاف صاف بتا دیا کہ اس کی اتنی قیمت ہے لیکن خریدار زبردستی زیادہ دے رہا ہے تو لے لو لیکن نہیں۔ اگر وہ ایسا کرے تو اس کے اپنے خیال میں اسلام کی تعلیم کے خلاف جاتا ہے اور یہی حقیقت بھی ہے۔ اپنے خیال کے مطابق وہ کسی صورت میں گوارا نہیں کرسکتا کہ اسلام کی تعلیم کے خلاف کوئی عمل ہو۔ لیکن آج کل تو ہم دیکھتے ہیں کہ جتنا کوئی امیر اور مالدار شخص ہو اتنا ہی اس میں لالچ ہوتا ہے اور دوسرے کو لوٹنے کی کوشش کرتا ہے اور چند روپوں کے لیے اتنی لمبی بحثیں کرتا ہے کہ جس کی انتہا نہیں۔ اسی طرح امیر قومیں ہیں، غریب قوموں کو لوٹنے کی کوشش کرتی ہیں جیسا کہ میں نے بتایا کہ اب افریقہ کے غریب ممالک میں اس بات کا احساس پیدا ہو رہا ہے کہ یہ امیر قومیں ہمیں ہماری بہتری اور حفاظت کے نام پر لُوٹ رہی ہیں اور دوسرے جب تجارت کرتے ہیں تو غریب یا کم ترقی یافتہ یا ترقی پذیر ممالک سے سامان سستے داموں خریدتے ہیں اور واپس انہیں ان کے خام مال سے بنی ہوئی چیز جو ہے غیر معمولی منافعوں پہ بیچتے ہیں۔ اس طرح غریب ملکوں کی لیبر سے انتہائی سستے داموں سامان تیار کرواتے ہیں اور خود پھر اس کو بے انتہا منافع پر بیچتے ہیں اور اس میں ان غریب ملکوں کے لوگ اور امراء بھی شامل ہیں جو کم اور بالکل معمولی مزدوری پر مجبوروں سے سامان تیار کرواتے ہیں جس سے غریب کے خاندان کی دو وقت کی روٹی بھی مشکل سے چلتی ہے لیکن امیر لوگ ان کی چیزوں سے اربوں منافع کما رہے ہوتے ہیں اور یہی چیز جو ہے وہ بے چینیاں پیدا کر رہی ہے اور ایک وقت میں پھر غریب لاوے کی طرح پھٹے گا کیونکہ دنیا میں جو رابطوں کی وجہ سے awareness ہوگئی ہے، احساس ہوگیا ہے، ایک دوسرے کی خبریں پہنچنے لگ گئی ہیں اس نے غریب کی خواہشات کو بڑھا دیا ہے اور جب وہ دیکھتا ہے کہ اس بارے میں مجھ سے ناانصافی ہو رہی ہے تو پھر بے چینی بڑھتی ہے اور امن برباد ہوتا ہے۔

پس اسلام کہتا ہے کہ اس بے چینی کو دور کرنے کے لیے ہر قسم کے لین دین میں دوسروں کے حقوق کا خیال رکھو یہی دیرپا امن اور سلامتی کا ذریعہ ہے۔

پھر

امن و سلامتی کو برباد کرنے میں تکبر ایک بہت بڑی وجہ ہے۔

تکبر کی وجہ سے دوسروں پہ ظلم ہوتا ہے اور حق تلفی کی جاتی ہے۔ اسلام اس کو سختی سے روکتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ لَا تَمۡشِ فِی الۡاَرۡضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنۡ تَخۡرِقَ الۡاَرۡضَ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا۔ (بنی اسرائیل: 38) اور زمین میں اکڑ کر نہ چل۔ تُو یقیناً زمین کو پھاڑ نہیں سکتا اور نہ قامت میں پہاڑوں کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تکبر کس بات کا ہے؟ تُو یقیناً زمین کو پھاڑ نہیں سکتا، تُو زمین سے کہیں باہر نہیں نکل سکتا۔ زمین کے ذرائع اور وسائل ہی ہیں جو تیری بقا کا ذریعہ ہیں، تیرے غریب بھائی یا غریب لوگ جو تیرے اردگرد ہیں ان سے ہی تو کام لیتا ہے جتنا چاہے بڑا کارخانہ دار ہو، امیر آدمی ہو اس کے مددگار یہی لوگ ہیں۔ اگر یہ نہ ہوں تو امیر کچھ بھی نہیں کرسکتا۔ پس یہ احساس ہر بڑے اور جس کے دل میں تکبر ہے اسے دل میں پیدا کرنا چاہیے کہ جن لوگوں کو وہ تکبر کی وجہ سے رعونت سے دیکھتا ہے یہی لوگ اس کے مددگار ہیں جن کے بغیر اس کی زندگی آرام دہ نہیں ہوسکتی۔ پس یہ احساس جب پیدا ہو جائے تو امیر کو غریب کا حق مارنے کا خیال پیدا نہیں ہوسکتا۔ پس اللہ تعالیٰ بندوں کو نصیحت فرماتے ہوئے فرماتا ہے کہ تکبر نہ کرو اور اردگرد کے لوگوں کو ذلیل نہ سمجھو، حقیر نہ سمجھو۔ اگر تم نے اپنے سے کم لوگوں کی عزت نفس کا خیال نہ رکھا تو لوگ تم سے دور ہٹتے چلے جائیں گے اور تم بھی امن میں نہیں رہ سکو گے اور پھر سختی کرنے اور دوسروں کو حقیر سمجھنے اور ان کے حقوق ادا نہ کرنے سے یہ ردعمل پیدا ہو گا کہ یہ غریب تمہارے خلاف ہوں گے اور اس طرح عوام کا خلاف ہونا، حکومت کے خلاف پھر بغاوت کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور پھر معاشرے اور ملک کا امن اور سکون برباد ہو جاتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَنۡ تَبۡلُغَ الۡجِبَالَ طُوۡلًا ۔ یاد رکھو کہ اس طرح کے لوگ حقوق غصب کر کے اور ان سے فاصلہ رکھ کر قوم کے سردار نہیں بن سکتے۔ جبال سردار اور بڑے امراء کو بھی کہتے ہیں۔ پس

تکبر کر کے کوئی حقیقی مقام نہیں ملتے، عاجزی ہی ہے جو حقیقی سرداری دیتی ہے اور لیڈر بناتی ہے اور یہی سرداری ہے جو دیرپا امن قائم کرنے والی بن سکتی ہے۔

قومی ظلموں کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ

قومی ظلموں میں سے ایک اخلاقی ظلم قوم کے اخلاق کو بگاڑنا ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو اس سے بھی روکتا ہے اور فرماتا ہے۔ لَا یُحِبُّ اللّٰہُ الۡجَہۡرَ بِالسُّوۡٓءِ مِنَ الۡقَوۡلِ اِلَّا مَنۡ ظُلِمَ وَ کَانَ اللّٰہُ سَمِیۡعًا عَلِیۡمًا۔ (النساء: 149) اللہ سرعام بری بات کہنے کو پسند نہیں کرتا مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور اللہ بہت سننے والا اور دائمی علم رکھنے والا ہے۔ حضرت مصلح موعودؓ نے اس کی تشریح مختلف کی ہے۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ اگر کوئی مظلوم ہو تو اسے بے شک اجازت ہے کہ وہ برسرعام جو جی میں آئے کہتا پھرے لیکن کسی اَور کو اس کی اجازت نہیں ہے مگر میرے نزدیک اس

آیت کا اصلی مفہوم یہ ہے کہ اگر کوئی مظلوم ہو تب بھی یہ پسندیدہ بات نہیں کہ لوگوں میں برائیاں بیان کرتا پھرے۔ گویا اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس طریقے سے روکتا ہے اور فرماتا ہے تُو جو اپنے ظلم کے خلاف شور مچاتا ہے تجھے یہ سمجھنا چاہیے کہ تُو اپنے ظلم کے متعلق تو شور مچا رہا ہے اور قوم کے اخلاق کو تباہ کر رہا ہے۔ جیسے اگر کوئی گندی گالیاں دینی شروع کر دے اور پاس سے عورتیں گزر رہی ہوں اور شریف لوگ گزر رہے ہوں تو اس کو روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ تُو لوگوں کے اخلاق خراب کر رہا ہے۔ بچے بھی ہیں، عورتیں بھی ہیں ایسے لوگ بھی ہیں جن کو یہ گندی باتیں برداشت نہیں ہوتیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تُو شور کس بات پر مچا رہا ہے؟ کیا اس بات پر کہ تجھ پر ظلم ہوا ہے؟ مگر تجھے اتنی سمجھ نہیں کہ تُو اپنے ظلم پر شور مچا رہا ہے اور ساری قوم پر ظلم کر رہا ہے۔

(ماخوذ از سیر روحانی (2) انوار العلوم جلد 16 صفحہ 69)

پس یہاں مظلوم کو بھی توجہ دلائی کہ حق لینا ہے، ظلم کا بدلہ لینا ہے تو متعلقہ ادارے تک جاؤ اور فیصلہ کا انتظار کرو۔

اسی طرح اپنی حالت کو بھی دیکھو کہ کہیں کسی وقت تم سے بھی ظلم سرزد ہوا یا تم بھی کبھی کسی پر ظلم کرنے والے بن جاؤ۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ یہاں مظلوم کو بھی کہہ دیا کہ ایک طرف مظلوم بن کر پھر خود ہی ظالم نہ بن جاؤ۔ پس اسلام ایک کا حق دے کر دوسرے کا حق بھی قائم کرتا ہے تا کہ امن اور سلامتی کی فضا قائم رہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَ اعۡبُدُوا اللّٰہَ وَ لَا تُشۡرِکُوۡا بِہٖ شَیۡئًا وَّ بِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّ بِذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡیَتٰمٰی وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَ الۡجَارِ الۡجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ۙ وَ مَا مَلَکَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَنۡ کَانَ مُخۡتَالًا فَخُوۡرَا۔ (النساء: 37) کہ اللہ کی عبادت کرو اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور والدین کے ساتھ احسان کرو اور قریبی رشتہ داروں سے بھی اور یتیموں سے بھی اور مسکین لوگوں سے بھی اور رشتہ دار ہمسایوں سے بھی اور غیر رشتہ دار ہمسایوں سے بھی اور اپنے ہم جلیسوں سے بھی اور مسافروں سے بھی اور ان سے بھی جن کے تمہارے داہنے ہاتھ مالک ہوئے۔ یقیناً اللہ اس کو پسند نہیں کرتا جو متکبر اور شیخی بگھارنے والا ہے۔

جیسا کہ اس آیت میں ہے کہ اللہ کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ یعنی توحید کا قیام کرو اور جب توحید کے حقیقی ماننے والے ہو گے تو پھر دوسروں پر ظلم بھی نہیں کرو گے۔ ساتھ ہی

ان لوگوں کی فہرست بھی دے دی جن سے حسن سلوک ایک مومن کے لیے ضروری ہے

اور اس کے مطابق اگر انسان زندگی گزارے تو امن برباد کرنے والے تمام اسباب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ معاشرے کے تمام لوگ جن سے اس کا واسطہ پڑتا ہے اس میں آ جاتے ہیں۔ والدین کے ساتھ ان رشتوں اور تعلقوں کا بھی ذکر کر کے بتا دیا کہ ان تعلقات کی کیا اہمیت ہے اور پھر آخر میں تنبیہ کی کہ اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور شیخی بگھارنے والے کو پسند نہیں کرتا۔ تکبر کے بارے میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والے کو تنبیہ فرما رہا ہے کہ

حقوق کی ادائیگی ہی امن اور سلامتی کی ضمانت ہے۔

ہم معاشرے کے تعلقات میں دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسائل اور جھگڑے اور بے امنی کی صورت حال انسانوں میں آپس میں غصہ کی حالت پیدا ہونے سے ہوتی ہے۔ جب انسان پر غصہ غالب آ جائے تو پھر جھگڑے شروع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایک اصولی ہدایت فرمادی اور خصوصیات بیان فرمائیں کہ ہم نے تمہیں اُمَّۃً وَّسَطًا (البقرہ: 144) بنایا ہے یعنی ایسی امت جو اعتدال پر چلنے والی ہو۔ غصہ اور محبت کے معاملہ میں بھی اس اصول کو سامنے رکھو۔ نہ غصہ میں اتنے بہ جاؤ کہ معافی کی کوئی صورت ہی نہ ہو اور نہ محبت میں اتنا بہ جاؤ کہ جو نقصان وہ حد تک ہو جائے۔ محبت میں انسان پھر انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتا۔ پس فرمایا کہ اس اصول کے تحت غصہ کی بھی ایک حد ہونی چاہیے اور محبت کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں اب اس کی بہت زیادہ کمی ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ (آل عمران: 135) غصہ دبانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔ یعنی مسلمان تو وہ لوگ ہیں جن کی خصوصیت غصہ کو دبانا ہے اور معاف کرنا ہے اور یہی اصول ہے جو مسلمان کی صحیح تصویر کھینچتا ہے۔ یہی اصول ہے جس سے دشمنیاں ختم ہوتی ہیں۔ یہی اصول ہے جس سے معاشرہ میں صلح اور صفائی کی فضا قائم ہوتی ہے اور یہی اصول ہے جس سے امن اور سلامتی کا پیغام ہر طرف پہنچتا ہے۔ اس بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’یاد رکھو کہ عقل اور جوش میں خطرناک دشمنی ہے۔ جب جوش اور غصہ آتا ہے تو عقل قائم نہیں رہ سکتی لیکن جو صبر کرتا ہے اور بردباری کا نمونہ دکھاتا ہے اس کو ایک نور دیا جاتا ہے جس سے اس کی عقل و فکر کی قوتوں میں ایک نئی روشنی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر نور سے نور پیدا ہوتا ہے۔ غصہ اور جوش کی حالت میں چونکہ دل و دماغ تاریک ہوتے ہیں اس لئے پھر تاریکی سے تاریکی پیدا ہوتی ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 3 صفحہ 180)

پھر آپؑ فرماتے ہیں ’’یاد رکھو جو شخص سختی کرتا ہے اور غضب میں آ جاتا ہے اس کی زبان سے معارف اور حکمت کی باتیں ہرگز نہیں نکل سکتیں۔ وہ دل حکمت کی باتوں سے محروم کیا جاتا ہے جو اپنے مقابل کے سامنے جلدی طیش میں آ کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ گندہ دہن اور بے لگام کے ہونٹ لطائف کے چشمہ سے بے نصیب اور محروم کئے جاتے ہیں۔ غضب اور حکمت دونوں جمع نہیں ہو سکتے۔ جو مغضوب الغضب ہوتا ہے اس کی عقل موٹی اور فہم کند ہوتا ہے۔ اس کو کبھی کسی میدان میں غلبہ اور نصرت نہیں دیئے جاتے۔ غضب نصف جنون ہے جب زیادہ بھڑکتا ہے تو پورا جنون ہو سکتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 5 صفحہ 126-127)

پھر آپؑ نے فرمایا ’’ہماری شریعت کا یہ حکم ہے کہ موقع دیکھو۔ اگر نرمی کی ضرورت ہے خاک سے مل جاؤ۔ اگر سختی کی ضرورت ہے سختی کرو۔ جہاں عفو سے صلاحیت پیدا ہوتی ہو وہاں عفو سے کام لو۔ نیک اور باحیا خدمت گار اگر قصور کرے تو بخش دو مگر بعض ایسے خیرہ طبع ہوتے ہیں کہ ایک دن بخشو تو دوسرے دن دگنا بگاڑ کرتے ہیں۔ وہاں سزا ضروری ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 317)

پس ہر قسم کی تعلیم اسلام دیتا ہے اور یہی تعلیم ہے جس سے امن اور سلامتی کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ عموماً مومن کو عفو کی عادت ہونی چاہیے لیکن جہاں عادی مجرم ہوں وہاں پھر اصلاح کے لیے سزا بھی ہونی چاہیے۔ اسلام کی تعلیم کا اصل مقصد معاشرے کی اصلاح ہے، سزا دینا نہیں ہے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے ایک مومن کو کوشش کرنی چاہیے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم غصہ کو دبا لو اور معاف کر دو تو اس کے بعد پھر احسان کا رنگ بھی اختیار کرو کیونکہ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ۔ (آل عمران: 135) کہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو پسند کرتا ہے، ان سے محبت کرتا ہے۔

اس احسان کی خصوصیت کو بیان فرماتے ہوئے ایک دوسری جگہ فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ

الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی۔ (النحل:91) یعنی اللہ عدل کا اور احسان کا اور اقربا پر کی جانے والی عطا کی طرح عطا کا حکم دیتا ہے۔

قرآن کریم کا یہ حکم ایسا حکم ہے کہ اس پر اگر حقیقت میں عمل کیا جائے تو ہر طبقہ اور ہر سطح پر امن و سلامتی کی غیر معمولی فضا پیدا کی جا سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پہلی بات بتائی کہ عدل کا سلوک آپس میں کرو۔

یعنی برابری کا معاملہ ہو۔ اگر کسی ظلم کا بدلہ لینا ہے تو اس حد تک جتنا ظلم ہوا ہے اور وہ بھی صاحب اختیار کے پاس جا کے معاملہ پیش کرو۔ آپس کے تعلقات میں بعض دفعہ بعض لوگ اس حد تک کینہ ور ہو جاتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ جب تک اس شخص نے جس نے مجھے نقصان پہنچایا ہے اسے اس حالت میں نہ لے آؤں جہاں وہ ناک رگڑنے لگ جائے اس وقت تک چھوڑوں گا نہیں۔ یہ رویہ جو ہے بالکل غلط ہے۔ اسلام اس کی نفی کرتا ہے۔ اسی طرح قوموں کی سطح پر ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دوسرے کو آپس کے تعلقات خراب ہونے پر اس قدر نقصان پہنچایا جاتا ہے کہ وہ ملک اور قوم کئی دہائیوں تک اٹھنے کے قابل نہ رہیں اور یہ آج کل ہمیں اکثر بڑی طاقتوں کے رویوں میں نظر آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس رویے سے منع کرتا ہے بلکہ حکم دیتا ہے کہ عدل سے کام لو۔

دوسرا درجہ احسان کا ہے۔

احسان یہ ہے کہ یہ نہیں دیکھنا چاہیے کہ دوسرا ہم سے کیا سلوک کرتا ہے بلکہ اگر وہ برا سلوک کرتا ہے تب بھی ہم اس سے اچھا سلوک کریں، اس سے عفو و درگذر کریں۔ اس بات میں عفو بھی آ جاتا ہے، درگذر بھی آجاتا ہے، غریب کی مدد بھی آ جاتی ہے، صدقہ و خیرات بھی ہے اور سب نیکیاں ہیں جو ذاتی بھی ہیں اور قومی بھی ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں۔

پھر فرمایا کہ

احسان سے بڑھ کر بھی ایک چیز ہے وہ ہے اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی

جس کا مطلب یہ ہے کہ بنی نوع سے ایسا سلوک کرو جیسا ایک رشتہ دار دوسرے رشتہ دار سے کرتا ہے۔ اس سلوک سے مراد احسان سے بڑھ کر سلوک ہے۔ ورنہ اسے علیحدہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس سے مراد طبعی محبت کے تعلق کا سلوک ہے جس میں بدلہ میں کچھ لینے کا خیال نہ ہو۔ احسان کرتے ہوئے بعض ذاتی اغراض بیچ میں آ جاتی ہیں چاہے اتنی ہی بات دل میں آ جائے کہ اس حسن سلوک سے اس بندے کے میرے سے اچھے تعلقات ہو جائیں گے، اس سے حسن سلوک کروں۔ لیکن اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی وہ سلوک ہے جو ماں کا اپنے بچے سے ہوتا ہے جس میں ماں کسی بدلے کے حاصل کرنے کے لیے بچے کو پیار اور پرورش اور حسن سلوک نہیں کر رہی ہے بلکہ ایک طبعی محبت ہے جو اسے مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے بچے سے بے غرض محبت کرے۔ پس

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک دوسرے کے لیے ایسی محبت پیدا کرو، وہ مقام حاصل کرو جب تمہارے اندر لینے سے زیادہ دینے کا خیال آئے، یہ جذبہ پیدا ہو۔ سب بنی نوع تمہیں اپنے بچے نظر آئیں، ایک دوسرے کی خدمت کا ایک جوش ہو۔ پس جب ایسے سلوک ہوں اور یہ ماحول ہو تو وہ کتنا خوبصورت اور پر امن اور سلامتی والا معاشرہ ہوگا۔ کاش کہ مسلمان اس اصول کو سمجھ جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو خدا تعالیٰ کے حوالے سے بھی بیان فرمایا ہے اور بندوں کے حوالے سے بھی بیان فرمایا ہے۔ ایک جگہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: ’’نیکی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ سے پاک تعلقات قائم کئے جاویں اور اس کی محبت ذاتی رگ و ریشہ میں سرایت کر جاوے جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی۔ خدا کے ساتھ عدل یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اس کی فرماں برداری کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اسے پہچانو۔ اور اس پر ترقی کرنا چاہو تو درجہ احسان کا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کی ذات پر ایسا یقین کر لینا کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے اور جن لوگوں نے تم سے سلوک نہیں کیا ان سے سلوک کرنا اور اگر اس سے بڑھ کر سلوک چاہو تو ایک اور درجہ نیکی کا یہ ہے کہ خدا کی محبت طبعی محبت سے کرو۔ نہ بہشت کی طمع نہ دوزخ کا خوف ہو بلکہ اگر فرض کیا جاوے کہ نہ بہشت ہے نہ دوزخ ہے تب بھی جوشِ محبت اور اطاعت میں فرق نہ آوے۔ ایسی محبت جب خدا تعالیٰ سے ہو تو اس میں ایک کشش پیدا ہو جاتی ہے اور کوئی فتور واقع نہیں ہوتا۔‘‘

پھر فرمایا: ’’اور مخلوق خدا سے ایسے پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ یہ درجہ سب سے بڑھ کر ہے کیونکہ احسان میں ایک مادہ خود نمائی کا ہوتا ہے اور اگر کوئی احسان فراموشی کرتا ہے تو محسن جھٹ کہہ اٹھتا ہے کہ میں نے تیرے ساتھ فلاں احسان کئے لیکن طبعی محبت جو کہ ماں کو بچے کے ساتھ ہوتی ہے اس میں کوئی خود نمائی نہیں ہوتی بلکہ اگر ایک بادشاہ ماں کو یہ حکم دیوے کہ تو اس بچے کو اگر مار بھی ڈالے تو تجھ سے کوئی باز پرس نہ ہوگی تو وہ کبھی بھی یہ بات سننا گوارا نہ کرے گی اور اس بادشاہ کو گالی دے گی حالانکہ اسے علم بھی ہو کہ اس کے جوان ہونے تک میں نے مر جانا ہے‘‘ یعنی بچہ کے جوان ہونے تک ’’مگر پھر بھی محبت ذاتی کی وجہ سے وہ بچہ کی پرورش کو ترک نہ کرے گی۔ اکثر دفعہ ماں باپ بوڑھے ہوتے ہیں اور ان کو اولاد ہوتی ہے۔ تو ان کی کوئی امید بظاہر اولاد سے فائدہ اٹھانے کی نہیں ہوتی لیکن باوجود اس کے پھر بھی وہ اس سے محبت اور پرورش کرتے ہیں۔ یہ ایک طبعی امر ہوتا ہے جو محبت اس درجہ تک پہنچ جاوے اس کا اشارہ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی میں کیا گیا ہے کہ اس قسم کی محبت خدا کے ساتھ ہونی چاہئے، نہ مراتب کی خواہش نہ ذلت کا ڈر۔‘‘

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 181-182)

پھر آپؑ نے فرمایا: ’’اخلاق دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو وہ ہیں جو آج کل کے نو تعلیم یافتہ پیش کرتے ہیں کہ ملاقات وغیرہ میں زبان سے چاپلوسی اور مداہنہ سے پیش آتے ہیں اور دلوں میں نفاق اور کینہ بھرا ہوا ہوتا ہے۔ یہ اخلاق قرآن شریف کے خلاف ہیں۔ دوسری قسم اخلاق کی یہ ہے کہ سچی ہمدردی کرے، دل میں نفاق نہ ہو اور چاپلوسی اور مداہنہ وغیرہ سے کام نہ لے۔ جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی۔ تو یہ کامل طریق ہے اور ہر ایک کامل طریق اور ہدایت خدا کے کلام میں موجود ہے۔ جو اس سے روگردانی کرتے ہیں وہ اور جگہ ہدایت نہیں پا سکتے۔ اچھی تعلیم اپنی اثر اندازی کے لئے دل کی پاکیزگی چاہتی ہے۔ جو لوگ اس سے دور ہیں اگر عمیق نظر سے ان کو دیکھو گے تو ان میں ضرور گند نظر آئے گا۔ زندگی کا اعتبار نہیں ہے‘‘ آپؑ نے فرمایا: ’’زندگی کا اعتبار نہیں ہے اس لیے نماز، صدق و صفا میں‘‘ نماز میں اور صدق و صفا میں ’’ترقی کرو۔‘‘

(ملفوظات جلد 6 صفحہ 200)

اپنی عبادتوں میں بھی ترقی کرو اور اپنی سچائی کے معیاروں کو بھی بلند کرو، اپنے آپس کے تعلقات کو بھی ٹھیک کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے کے بعد اسلام کی حقیقی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے دنیا کے لیے اپنے ہر عمل میں نمونہ قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امن کے حوالے سے جو بعض باتیں میں نے بیان کی ہیں ان پر ہم لوگ خود حقیقی رنگ میں عمل کرنے والے ہوں اور اس کے علاوہ جو باقی باتیں ہیں ان پر بھی اور پھر دنیا کو اس سے آگاہ کریں تا کہ دنیا جو اپنے خود غرضانہ مفادات کے حصول کی وجہ سے تباہی کے گڑھے کی طرف جا رہی ہے اس حقیقت کو سمجھے کہ حقیقی امن خدا تعالیٰ کے حکموں پر چل کر ہی قائم ہو سکتا ہے اور کوئی دنیاوی نظام امن کے پائیدار قیام میں مددگار نہیں ہو سکتا۔ پس ہر احمدی کی یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ جلسہ کی برکات کو بھی شاملین ساتھ لے کر جانے والے ہوں، دنیا میں ہر جگہ اس جلسہ کے پروگرام کو سننے والے ایک جوش اور جذبہ اپنے اندر پیدا کرنے والے ہوں اور اپنے علاقوں میں اسلام کی پاک تعلیم کی روشنی میں ایک انقلاب پیدا کرنے والے بن جائیں۔ سب شاملین کو اللہ تعالیٰ خیریت سے اپنے گھروں کو لے کر جائے۔ قادیان میں جو آئے ہوئے ہیں وہ بھی، جو افریقہ میں گنی بساؤ میں ہیں وہ بھی اور کوئی کہیں بھی اگر جلسے ہو رہے ہیں تو وہاں بھی اللہ تعالیٰ سب کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

اب ہم دعا کریں گے۔ دعا میں خاص طور پر یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جماعت کو بھی ہر شر سے محفوظ رکھے اور ہمیں حقیقی رنگ میں وہ حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے جو ایک بیعت کا حق ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ہم سے توقع کی ہے۔ اب دعا کر لیں۔

☆ دعا ☆

فرید احمد نوید۔ پرنسپل جامعہ احمدیہ انٹرنیشنل گھانا

قرآنی انبیاء

عظیم قربانی

قسط 6

کیا آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر خود واپس چلے جائیں گے۔ بیوی نے حیرت سے پوچھا۔ آپ نے چاہا کہ بیوی کو ساری بات بتادیں لیکن غم کی شدت کی وجہ ہونٹ کپکپا کر رہ گئے۔ بیوی نے دوبارہ پوچھا کیا آپ ہمیں اپنی مرضی سے یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں یا خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ سے پھر جواب نہ دیا گیا۔ آپ نے اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھادیئے۔ یہ بتانے کے لیے کہ خدا تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔

ایک بزرگ نبی کا واقعہ جنہوں نے ایک بہت بڑے مقصد کے لئے قربانی دی۔

چاروں جانب ایک ہول ناک خاموشی تھی دور دور کوئی آدمی یا جانور نظر نہ آتا تھا۔ اس ہولناک سناٹے کو ریگستان میں چلنے والی ہوائیں کبھی کبھی توڑ دیتی تھی لیکن ہوا رکتے ہی ریگستان دوبارہ مردہ سا ہو جاتا تھا۔ دور ریت پر ایک بچہ پیاس کی شدت سے تڑپ رہا تھا۔ اس کے رونے کی آواز ہوا کی لہروں کے ساتھ سفر کرتے ہوئے تھوڑی دور تک جاتی تھی لیکن اس ریت کے سمندر میں جو چاروں طرف پھیلا ہوا تھا کوئی اس کی فریاد سننے والا نہیں تھا۔ گو بچے کے ساتھ اس کی ماں بھی موجود تھی لیکن وہ اس صحرا میں پانی کہاں سے فراہم کرسکتی تھی۔ ماں نے بے چارگی کے ساتھ بلکتے ہوئے بچے کی طرف دیکھا اور پھر اپنے مشکیزے کی طرف نگاہ دوڑائی جو کب کا پانی سے خالی ہو چکا تھا۔ کھانے پینے کا تمام سامان ختم ہو چکا تھا اور اب یہ ماں بیٹا اس وسیع صحرا میں بالکل بے یار و مددگار پڑے ہوئے تھے۔

بچے کے رونے میں شدت آتی جارہی تھی اور ماں اس کی آواز سن کر تڑپ تڑپ جارہی تھی۔ لیکن میں کیا کروں؟ اس نے اپنے دل میں سوچا۔ کوئی صورت بھی تو نہیں ہے۔ دور دور تک کوئی آبادی کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ اب تو صرف خدا تعالیٰ ہی ہے جو ہمیں ہلاک ہونے سے بچا سکتا ہے۔ ورنہ پھر جیسے اس کی مرضی! ہم اس کی رضا پر راضی ہیں۔

بچے کے رونے کی آواز ماں کو چین سے بیٹھنے نہ دے رہی تھی وہ اٹھی اور قریب کی پہاڑی پر چڑھ کر اس کے ارد گرد دیکھنے لگی۔ شاید کوئی صورت نکل آئے۔ اس نے اپنے دل میں سوچا اور اس پہاڑ سے اتر کر دوسرے پہاڑی کے جانب دوڑی، وہاں سے بھی کوئی صورت نظر نہ آئی تو واپس پہلی پہاڑ کے جانب پلٹی۔ ماں آخر ماں ہوتی ہے۔ بچے کی تکلیف برداشت نہیں کرسکتی اس لئے پانی کی تلاش میں وہ کبھی ادھر کبھی ادھر بھاگنے لگی۔ یہ بھاگ دوڑ شاید ابھی جاری رہتی کہ خدا تعالیٰ کے الہام کے نتیجہ میں ماں کی نظر بچے کی طرف گئی اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ بچا جہاں پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رہا تھا وہاں سے پانی بہنا شروع ہو گیا تھا اور پانی ابل ابل کر ارد گرد کی زمین کو بھی سیراب کر رہا تھا۔ گو یا ایک چشمہ جسے زم زم کہا جاتا ہے پھوٹ پڑا تھا۔ خدا تعالیٰ نے ہماری فریاد سن لی اور ہمیں ہلاکت سے بچا لیا، ماں نے اپنے دل میں سوچا اور خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتے ہوئے بچے کی جانب بڑھ گئی۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام کے متعلق ہم تفصیلی طور پر پڑھ چکے ہیں اور یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی بیوی ہاجرہ کے بطن سے ایک بیٹا عطا کیا تھا۔ جن کا نام اسماعیل رکھا گیا تھا۔ جس کا مطلب ہے خدا تعالیٰ کا سننا یعنی خدا تعالیٰ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی دعاؤں کو سن کر آپ کو ایک نیک اور پاک بیٹا عطا کیا۔ اس لئے آپ نے اس کا نام اسماعیل رکھا۔ یہ وہی اسماعیل ہیں جو بڑے ہو کر خدا تعالیٰ کے نبی اور پیغمبر بنے اور سب سے خاص بات آپ کی یہ ہے کہ آپ کی نسل میں سے یعنی آپ کی اولاد میں سے ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے اور یہ سب سے عظیم اعزاز ہے جو دیگر اعزازات کے ساتھ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو نصیب ہوا۔

اسماعیل علیہ السلام حضرت ابرہیم علیہ السلام کے بڑھاپے کی اولاد تھے۔ شادی کے بعد لمبے عرصہ حضرت ابرہیمؑ بے اولاد رہے۔ تو آپ نے درد اور الحاح کے ساتھ خدا تعالیٰ سے نیک اور پاک اولاد کے لئے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی حالت سے واقف تھا مگر ابھی دعا کی قبولیت کا وقت نہیں آیا تھا۔ اس لیے دیر ہوتی جارہی تھی۔ پھر بالآخر وہ وقت آ گیا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کی اس دعا کی قبولیت کے نتیجہ میں آپ کو ایک عظیم فرزند کی بشارت دی اور حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے۔ حضرت ہاجرہؑ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی بیوی تھیں اور آپ مصر کے بادشاہ کے رشتہ داروں میں سے تھے۔ بادشاہ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام سے تعلق اور رشتہ داری قائم کرنے کے لئے حضرت ہاجرہؑ کی شادی حضرت ابرہیم علیہ السلام سے کر دی تھی اور آپ کو یہ اعزاز ملا کہ آپ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے پہلے بیٹے کی ماں بنیں۔ حضرت ابرہیم علیہ السلام کی ایک اور بیوی سارہ بھی تھیں جو آپ کے ماموں کی بیٹی تھیں۔ یہ ایک عجیب بات تھی کہ آپ ایک لمبے عرصہ کے لئے بے اولاد رہیں لیکن جب حضرت ہاجرہؑ کے ہاں حضرت اسماعیلؑ پیدا ہوئے تو اس کے کچھ سال بعد حضرت سارہ کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک بیٹا عطا فرمایا جن کا نام اسحاقؑ رکھا گیا۔ یہ اسحاق بھی بڑے ہو کر اللہ کے نبی بنے۔

اب سارہ اور ہاجرہ دونوں کے ہاں اولاد ہو چکی تھی اور دونوں بچے یعنی اسماعیل اور اسحاق بھی بڑے ہو رہے تھے۔ انہی دنوں ایک خواب نے حضرت ابرہیم علیہ السلام کو پریشان کر دیا۔ آپ نے خواب میں دیکھا کہ آپ ہاتھوں سے اپنے بیٹے اسماعیل کو ذبح کر رہے ہیں۔ آپ یہ خواب دیکھ کر بہت پریشان ہوئے لیکن خواب کا منظر اتنا واضح اور اثر کرنے والا تھا کہ آپ اسے نظر انداز بھی نہ کر سکے۔ آپ کو یقین ہو گیا کہ خدا تعالیٰ میرے بیٹے اسماعیل کی جو میرا بڑا بیٹا ہے قربانی چاہتا ہے۔ سارہ جو حضرت اسحاق کی والدہ تھیں وہ بھی اس بات کو پسند نہ کرتی تھیں کہ اسماعیلؑ بڑا ہو کر باپ کا وارث بنے۔ وہ خود چونکہ حضرت ابرہیم علیہ السلام کے خاندان میں سے تھیں اور حضرت ہاجرہؑ مصری تھیں اس لئے وہ گھر پر اپنا حق زیادہ سمجھتی تھیں۔ ان کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا اسحاق باپ کا وارث بنے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا کہ حضرت اسماعیل وہاں موجود نہ رہتے۔ بالآخر ایک دن سارہ نے حضرت ابرہیم علیہ السلام سے صاف صاف کہہ دیا کہ ہاجرہ اور اس کے بیٹے اسماعیل کو گھر سے نکال دیں۔

حضرت ابرہیم علیہ السلام یہ بات سوچ بھی نہ سکتے کہ اپنے جگر گوشے، اپنے بڑے بیٹے اسماعیل کو گھر سے نکال دیں لیکن خدا تعالیٰ کی قدرت کچھ اور ہی رنگ دکھانا چاہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ رسول کریم ﷺ کو مکہ سے ظاہر کرنا چاہتا تھا جس کے لئے اسماعیل علیہ السلام کا گھر سے نکالا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے متواتر آپ کو وحی کی کہ اے ابراہیم! اپنے بیٹے کی قربانی کر اور اس کی ماں کو عرب کے صحرا میں چھوڑ آتا کہ لوگوں سے دور میری حفاظت اور نگرانی میں ایک پودا لگایا جائے۔ نیکی اور تقویٰ کا پودا۔ اور ایک چشمہ نکالا جائے، پاکیزگی اور طہارت کا چشمہ۔ تو آپ کو یہ بات سمجھ آ گئی کہ خدا تعالیٰ اسماعیل کے ذریعے کوئی عظیم انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؓ کو عرب کے صحرا میں چھوڑ آنے کا فیصلہ کرلیا۔ چنانچہ آپ نے دونوں کو ساتھ لیا اور اس ویران اور سنسان صحرا میں اپنے بیٹے اور بیوی کو لاکر چھوڑ دیا تا کہ خدا تعالیٰ کا حکم پورا کرسکیں۔ صرف ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور اس ماں اور بچے کو دے دیئے تا کہ وہ کچھ دیر گزارا کر سکیں۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے دل میں سوچا کہ یہ پانی اور کھجور آخر کتنی دیر چلیں گی؟ اور جب یہ ختم ہو جائیں گی تو پھر؟ پھر یہ ریت اور صحرا میری بیوی اور بچے کے ساتھ نہ جانے کیا سلوک کریں گے۔ یہ سوچ کر حضرت ابراہیمؑ پر رقت طاری ہوگئی اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ حضرت ہاجرہؑ ایک سمجھ دار خاتون تھیں۔ ان کے آنکھوں میں آنسو دیکھ کر سمجھ گئیں کہ ضرور معاملہ کچھ اور ہے۔ چنانچہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف بڑھیں اور پوچھا کہ بات کیا ہے؟ کیا آپ ہمیں یہاں تنہا چھوڑ کر خود واپس جا؟ رہے ہیں؟ یہاں تو نہ پینے کے لئے پانی ہے اور نہ کھانے کے لئے کوئی غذا میسر ہے؟ ہم کیسے زندہ رہیں گے؟ حضرت ابراہیمؑ نے چاہا کہ حضرت ہاجرہ کو ساری بات بتائیں لیکن شدت غم کی وجہ سے آپ سے بولا نہ گیا اور آپ کے ہونٹ کانپ کر رہ گئے۔ حضرت ہاجرہؑ نے پوچھا کہ کیا آپ اپنی مرضی سے ہمیں یہاں چھوڑ کر جارہے ہیں یا خدا تعالیٰ نے آپ کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ سے پھر نہ بولا گیا اور آپ نے صرف دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے یہ بتانے کے لئے کہ خدا تعالیٰ کے حکم سے ایسا کیا جا رہا ہے۔

حضرت ہاجرہؑ ایک نیک اور پاک خاتون تھیں۔ آپ کو خدا تعالیٰ کی ذات پر کامل ایمان اور توکل تھا۔ آپ نے جب یہ جواب سنا تو مطمئن ہو گئیں اور بڑے صبر کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ سے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر آپ بے فکر رہیں۔ خدا ہمیں کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت ابرہیمؑ اپنے جگر گوشے اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہ کو صحرائے عرب میں چھوڑ کر خود واپس روانہ ہو گئے۔ ایک محبت کرنے والا باپ اپنے پیارے بیٹے کو قربان کر کے واپس لوٹ رہا تھا۔ آپ نے اپنا خواب پورا کر دیا تھا۔ جس میں آپ سے کہا گیا تھا کہ اپنے بیٹے کو قربان کر دو۔ یہ عظیم ماں اپنے جگر گوشے کے ساتھ اس لق و دق صحرا میں زندگی کے دن گزارنے لگیں۔

پانی کا مسئلہ تو حل ہو چکا تھا۔ صحرا میں زم زم جاری ہونے کی وجہ سے پانی وافر مقدار میں مل سکتا تھا لیکن غذا کا مسئلہ اب بھی موجود تھا۔ اس کیلئے اللہ نے یہ انتظام فرمادیا کہ ایک قافلہ جو صحرا میں سفر کر رہا تھا راستہ بھول گیا۔ انہیں پانی کی سخت ضرورت تھی لیکن صحرا میں پانی کہاں سے ملتا۔ وہ اسی پریشانی میں صحرا میں پانی کی تلاش کر رہے تھے کہ اتفاق سے وہ اس طرف آنکلے اور ان کی نظر حضرت ہاجرہؑ اور چاہ زم زم پر پڑی انہوں نے جب پانی دیکھا تو بہت خوش ہوئے اور حضرت ہاجرہؑ سے درخواست کی کہ یہ بہت اچھی جگہ ہے۔ پانی بھی وافر مقدار میں یہاں موجود ہے۔ اگر آپ ہمیں یہاں بسنے کی اجازت دیں تو ہم آپ کی رعایا بن کر رہیں گے اور آپ کی ہر بات مانیں گے۔ حضرت ہاجرہؑ تو پہلے ہی کسی کی مدد کا انتظار کر رہی تھیں۔ خدا کی طرف سے ایسا اچھا انتظام دیکھ کر آپ بہت خوش ہوئیں اور قافلے والوں کو وہاں رہنے کی اجازت دے دی۔ یوں وہ حضرت ہاجرہؑ اور اسماعیلؑ کی رعایا بن کر رہنے لگے۔ اب اس صحرا میں نہ کھانے پینے کا کوئی مسئلہ تھا اور نہ کسی قسم کا کوئی خوف تھا۔ اللہ نے جو چھوٹی سے چھوٹی قربانی کو بھی ضائع نہیں کرتا حضرت اسماعیلؑ کی قربانی کی بہت قدر فرمائی اور اسماعیل کو جوانی سے پہلے ہی بادشاہ بنا دیا اور صحرا میں ایک قوم آپ کی رعایا بن کر رہنے لگی۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آجکل مکہ آباد ہے اور تمام دنیا کے مسلمان حج کرنے کے لئے آتے ہیں۔ آج تک حج کے دوران حضرت ہاجرہؓ کے پانی کی تلاش میں دوڑنے کی یاد میں صفا اور مروہ پہاڑیوں پر ہر حاجی سات مرتبہ دوڑتا ہے۔ جس سے مطلب یہ ہے کہ اگر ہمیں بھی خدا کے لئے کسی وقت اپنے عزیزوں کو چھوڑنا پڑا تو ہم بھی حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسماعیلؑ کے نقش قدم پر چلیں گے اور کسی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ بہر حال قافلہ کی آمد سے یہ جگہ آباد ہو گئی اور حضرت اسماعیل کی پرورش اچھے طریق پر ہونے لگی اور مکہ کی بنیادیں رکھ دی گئیں۔

خانہ کعبہ کے نام سے تو ہم سب واقف ہیں۔ یہ وہی مقام ہے جس کی طرف منہ کر کے تمام مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ حج کے موقعہ پر اس کا طواف کرتے ہیں اسے بیت اللہ یعنی اللہ کا گھر بھی کہتے ہیں۔ یہ گھر حضرت ابراہیمؑ کے زمانے سے بہت پہلے کا ہے۔ اسی وجہ سے اس بیتِ عتیق یعنی بہت پرانا گھر بھی کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں خانہ کعبہ مختلف وجوہات کی بناء پر متروک ہو گیا تھا اور سب اس سے غافل ہو چکے تھے۔ جب حضرت اسماعیلؑ نے اس علاقہ کو آباد کیا تو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کو حکم دیا کہ میرے اس گھر کو دوبارہ تعمیر کروا اور اسے عبادت کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف کرو۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے نیک اور سعادت مند بیٹے کے ساتھ مل کر پرانے نشانوں پر خانہ کعبہ کی تعمیر شروع کی اور دعائیں کرتے ہوئے خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کر دیا۔

حضرت اسماعیلؑ کے متعلق ہم پہلے پڑھ چکے ہیں کہ آپ آنحضرت ﷺ کے آباؤ اجداد میں سے تھے اور آپ کی نسل میں سے حضرت مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوئے۔ چنانچہ آپ نے اپنی بعثت کا بہت بڑا مقصد پورا کر دیا۔ یعنی ایک تو وہ شہر تعمیر کر دیا جس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے پیدا ہونا تھا اور دوسرے خانہ کعبہ جس نے رسول کریم ﷺ کے زمانے میں تمام دنیا کے مومنوں کا قبلہ بننا تھا اس کی بھی نئی تعمیر کر دی۔ یہ ایک بہت بڑا کام تھا جو اللہ نے حضرت اسماعیلؑ کے ذریعے سے کروایا۔ گو حضرت ابراہیمؑ ایک رنگ میں اپنا خواب پورا کر چکے تھے لیکن اب بھی اکثر اوقات آپ سوچا کرتے تھے کہ خدا نے رؤیا میں تو مجھے اپنا بیٹا ذبح کرنے کا ارشاد فرمایا تھا شائد خدا کی یہ مرضی ہو کہ میں اپنے بیٹے کو سچ مچ ذبح کر دوں۔ چنانچہ ایک موقعہ پر آپ نے حضرت اسماعیل سے اس موضوع پر بات کی۔ حضرت اسماعیلؑ جیسا نیک اور فرمانبردار بیٹا خدا کی راہ میں قربانی سے بھلا کب دریغ کر سکتا تھا۔ اسماعیلؑ نے فوراً اپنے والد ابراہیم سے کہا ابا آپ بالکل بھی پریشان نہ ہوں۔ بلکہ جو خدا نے آپ کو حکم دیا ہے ویسا کریں۔ میں خدا کی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کو تیار ہوں۔

یہ ایک بہت بڑا فیصلہ تھا۔ ایک عظیم قربانی کا فیصلہ جو حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ نے مل کر کیا تھا وہ دونوں خدا کی راہ میں قربانی کے لئے تیار ہو گئے۔ اپنے چاند سے بیٹے کو لٹایا اور چھری ہاتھ میں پکڑی تب اس وقت خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو الہاماً بتایا کہ اے ابراہیم!! تو تو کب کا اپنی خواب پوری کر چکا ہے۔ اسماعیل کو اس ویران صحرا میں چھوڑنا ہی دراصل وہ قربانی تھی جو ہم چاہتے تھے۔ ظاہری طور پر اسماعیل کو ذبح کروانا ہمارا مقصد نہیں تھا۔

چنانچہ یوں ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں کی قربانی خدا نے قبول کی اور انہیں ہمیشہ کے لیے اپنے پیاروں میں شامل کر لیا۔ آج بھی تمام دنیا میں عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی اس قربانی کی یاد میں تمام دنیا کے مسلمان قربانی کرتے ہیں اور اس طرح رہتی دنیا تک آپ کا نام زندہ و تابندہ رہے گا۔

بقیہ: دربارِ خلافت...... از صفحہ 2

بقیہ: دربارِ خلافت...... از صفحہ 2

رقت پیدا ہوئی اور اس زور سے اَللّٰہُ ھُوْ کا ذکر جاری ہوا کہ جب مَیں اسی حالت میں بیدار ہوا تو سانس بہت ہی زور سے آرہا تھا۔ اور آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا اور سانس اس قدر بلند تھا کہ اس سانس کو سن کر گھر والے بھی بیدار ہو گئے اور مجھے پوچھنے لگے۔ کیا ہوا؟ کیا ہوا؟ مگر چونکہ ابھی اَللّٰہُ ھُوْ کا ذکر برابر جاری تھا اور سانس زور زور سے نکل رہا تھا، اس کی وجہ سے میں اُنہیں کوئی جواب نہیں دے سکا۔ اس لئے میں جوش کو فرو کرنے کے لئے اور پردہ پوشی کے لئے اندر سے صحن میں چلا گیا اور جب حالت درست ہوئی تو مَیں پھر اندر آیا اور چارپائی پر لیٹ گیا۔

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد 6 صفحہ 125-126 از روایات حضرت امیر خان صاحبؓ)

پھر آگے انہوں نے بیان فرمایا ہے کہ اس کا اثر ہوا اور کچھ عرصے کے بعد اُن کو اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت کی توفیق بھی عطا فرمائی۔

(خطبہ جمعہ 25؍ جنوری 2013ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

آج کی دعا

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ کَفَانِیْ وَآوَانِیْ وَاَطْعَمَنِیْ وَسَقَانِیْ وَالَّذِیْ مَنَّ عَلَیَّ وَاَفْضَلَ وَالَّذِیْٓ اَعْطَانِیْ فَاَجْزَلَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ اَللّٰھُمَّ رَبَّ کُلِّ شَیْئٍ وَّمَلِیْکَ کُلِّ شَیْئٍ وَّاِلٰہَ کُلِّ شَیْئٍ وَّلَکَ کُلُّ شَیْئٍ اَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ

(مسند احمد بن حنبل، مسند عبداللہ بن عمر الخطاب جلد 2 صفحہ 495 حدیث:5983)

ترجمہ: یعنی تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو میرے لئے کافی ہے اور جس نے مجھے پناہ دی اور مجھے کھانا کھلایا اور مجھے پانی پلایا اور وہی ہے جس نے مجھ پر احسان کیا اور اپنے فضل سے نوازا اور وہی ہے جس نے مجھے بہت زیادہ عطا کیا اور ہر حال میں تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں۔ اے اللہ! ہر چیز کے رب، ہر چیز کے بادشاہ ہر چیز کے معبود اور ہر چیز تیرے ہی لئے ہے میں آگ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔

یہ سید و مولیٰ، مقدس الانبیاء، خیر البشر، پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کی بستر پر لیٹتے وقت کی دعا ہے۔

پیارے امام عالی مقام سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 6 اپریل 2007ء میں اس دعا کی تحریک فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بستر پر لیٹتے تو یہ کہا کرتے تھے (مندرجہ بالا دعا)۔

مرسلہ: مریم رحمٰن

ڈاکٹر فضل الرحمٰن بشیر مورو گورو، تنزانیہ

معراج اور اسراء کی حقیقت

(قسط دوم)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے آیت دَنَا فَتَدَلّٰی کے تفسیری ترجمہ میں مزید فرمایا:

’’اور اس وقت اس نے یہ کلام نازل کیا جبکہ وہ (یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اَلۡاُفُقِ الۡاَعۡلٰی پر تھے (یعنی سب سے اعلیٰ مقام پر) محمد رسول اللہ خدا کے اور قریب ہوئے اور قریب ہو کر پھر نیچے کی طرف آئے یعنی بنی نوع انسان کے قریب ہوئے۔ حتیٰ کہ آپ دو قوسوں کے درمیان کی وتروں کی طرح ہو گئے بلکہ اس سے بھی قریب۔ یعنی دو مشترک وتروں کی جگہ ایک ہی وتر ہو گیا۔ اس موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ پر وحی نازل کی جو اس قرآن میں موجود ہے۔‘‘

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ۔ تفسیر سورۃ اسراء)

پس جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہونا ہے۔

قَابَ قَوۡسَیۡنِ میں نظریہ وحدت الوجود کا رد

حضرت محی الدین ابن عربی نے اپنے نظریہ وحدت الوجود میں خالق اور مخلوق کے درمیان فرق پیدا نہیں کیا اور دونوں کو ایک وجود قرار دیا۔ شب معراج میں اس نظریے کا کلی طور پر رد کیا گیا ہے۔ معراج میں وہ مقام بھی آیا جسے قَابَ قَوۡسَیۡنِ اَوۡ اَدۡنٰی کہا گیا۔ یعنی خالق اور مخلوق کی انتہائی قربت کا مقام۔ مگر یہاں بھی کچھ فاصلہ برقرار رکھا گیا۔ یہ نہیں کہا کہ خدا تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر قریب ہوئے کہ ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔ یعنی مخلوق خالق سے جس قدر بھی قریب ہو جائے تب بھی دونوں کے درمیان خالق اور مخلوق کا فرق ضرور برقرار رہے گا۔

معراج کے ضمن میں تیسرا اہم سوال یہ کیا جاتا ہے کہ کیا اس رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو اپنی جسمانی آنکھوں سے دیکھا؟ اس کا اصولی جواب تو یہ ہے جو معراج کو جسمانی مانتے ہیں وہ یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ جسمانی یا سر کی آنکھوں سے دیکھا مگر معراج کو روحانی ماننے والے اسے روحانی مشاہدہ مانتے ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں ہے مَا کَذَبَ الۡفُؤَادُ مَا رَاٰی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سورۃ نجم کی آیت مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ یہ دیکھنا جسمانی آنکھوں سے تھا جبکہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جس نے یہ کہا کہ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کو جسمانی آنکھوں سے دیکھا اس نے بہتان لگایا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کریم کی آیت لَا تُدۡرِکُہُ الۡاَبۡصَارُ ۫ وَہُوَ یُدۡرِکُ الۡاَبۡصَارَ کے حوالے سے فرمایا کوئی آنکھ اسے نہیں دیکھ سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا لیتا ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضورؐ نے اپنے دل سے دیدار کیا آنکھوں سے نہیں۔ اسی طرح حضرت انس اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دل سے تو دیکھا ہے لیکن اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا۔

(تفسیر ابن کثیر سورۃ نجم)

چوتھا سوال یہ ہوتا ہے کہ کیا معراج صرف ایک دفعہ ہوا یا ایک سے زیادہ دفعہ؟

قرآن کریم اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ معراج دو مرتبہ ہوا۔ پہلا معراج ابتدائے نبوت میں ہوا جس میں نمازیں فرض ہوئیں اور دوسرا معراج نبوت کے پانچویں سال یا اس سے کچھ عرصہ پہلے ہوا۔ سورۃ نجم میں جس معراج کا ذکر ہے وہ دوسرا معراج ہے۔

(تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ)

میں سمجھتا ہوں کہ معراج کے حوالے سے اہم امور کو بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں اسراء کا واقعہ بیان کروں گا۔

واقعہ اسراء

سورۃ بنی اسرائیل جسے سورۃ اسراء بھی کہا جاتا ہے اس کا آغاز اس ارشاد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے:

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴿۲﴾

(بنی اسرائیل: 2)

ترجمہ: پاک ہے وہ جو رات کے وقت اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ کی طرف لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے۔ تا کہ ہم اسے اپنے نشانات میں سے کچھ دکھائیں۔ یقیناً وہ بہت سننے والا (اور) گہری نظر رکھنے والا ہے۔

واقعہ اسراء آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عظیم الشان کشف ہے جس میں آپ کو رات کے ایک حصے میں مسجد الحرام سے بیت المقدس کی سیر کروائی گئی۔

اسراء کا واقعہ کب پیش آیا؟

یہ واقعہ ہجرت سے چھ ماہ یا ایک سال قبل پیش آیا۔ اگرچہ مؤرخین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسراء کا واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے 17 ربیع الاول کو پیش آیا۔ ابن سعد نے بھی حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا سے یہی روایت کی ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے ایک سال پہلے سترہ ربیع الاول کو پیش آیا۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں بعض اور روایات پیش کی ہیں اور ان سب سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اسراء کا واقعہ ہجرت سے چھ ماہ یا ایک سال پہلے کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کشفی نظارہ شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد دکھایا گیا۔ آپ اس رات حضرت اُم ہانیؓ (ہند) کے گھر پر تھے اور وہ واحد راوی ہیں جو موقعہ کی گواہ ہیں۔ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُم ہانی ہی کو اس واقعہ کے بارہ میں بتایا۔ اُم ہانی کی روایت کے مطابق حضور اس رات بیت المقدس کے سفر سے واپس مکہ تشریف لے آئے۔ آپ نے اس سفر میں آسمان پر جانے کا قطعی کوئی ذکر نہیں کیا۔ جیسا کہ میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ راویوں نے معراج اور اسراء کے واقعات کو ملا کر ایک واقعہ بنا دیا اور بیت المقدس کے امور سے فراغت کے بعد آسمان پر جانے کا ذکر شروع کر دیا جبکہ اُم ہانی نے اپنی روایت میں اسراء کو مکہ اور بیت المقدس تک ہی محدود رکھا ہے۔

اصل روایت

اسراء بیت المقدس کا واقعہ مختلف روایتوں کے ساتھ مختلف احادیث میں بیان ہوا ہے۔ مگر جو روایت سب سے درست تسلیم کی جاتی ہے وہ حضرت انس سے مروی ہے جو ابن جریر نے اپنی تفسیر میں نقل کی ہے۔ یہی روایت ابن کثیر بھی اپنی تفسیر میں لے کر آئے ہیں۔ طوالت کے خوف سے میں یہاں اس کے ترجمے پر اکتفا کروں گا۔

’’ابن جریر انس بن مالک سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ جب جبرائیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس براق لائے تو اس نے اپنی دُم ہلائی یعنی کچھ انکار کیا تو اسے جبرائیل نے کہا کہ آرام سے کھڑا رہ۔ اے بُراق! خدا کی قسم تجھ پر ایسا سوار کبھی نہیں بیٹھا۔ تب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چڑھ کر روانہ ہوئے تو راستے میں کیا دیکھتے ہیں کہ ایک بڑھیا راستے کے ایک جانب کھڑی ہے تو آپ نے پوچھا اے جبرائیل یہ کون ہے تو جبریل نے کہا چلئے چلئے اے محمد! (یعنی موسیٰ کی طرح سوال کرنے سے منع کیا)۔ پھر آپ چلے جتنا کہ اللہ تعالیٰ کا منشاء تھا تو کیا دیکھتے ہیں کہ کوئی شخص راستہ کی ایک جانب سے آپ کو بلا رہا ہے اور کہتا ہے کہ ادھر آیئے اے محمد! اس پر جبرائیل نے پھر آپ کو بولنے سے منع کیا اور کہا اے محمد! چلئے چلئے اور کچھ جواب نہ دیجئے۔ پھر آپ آگے چلے جتنا کہ خدا کی مرضی تھی کہ پھر آپ کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کچھ لوگ ملے تو انہوں نے کہا ’’اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا اَوَّلُ، اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا اٰخِرُ، اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ یَا حَاشِرُ‘‘۔ اس پر جبرائیل نے کہا اے محمد! ان کو سلام کا جواب دیجئے تو آپ نے ان کو سلام کا جواب دیا۔ پھر آپ کو ایسی ہی ایک اور جماعت ملی اسنے بھی پہلی جماعت کے الفاظ میں آپ کو سلام کہا (پھر آپ آگے چلے) یہاں تک کہ آپ بیت المقدس تک پہنچے تو آپ کے سامنے حضرت جبرائیل نے تین پیالے پیش کئے ایک پانی کا اور ایک دودھ کا اور ایک شراب کا۔ آپ نے دودھ لے کر پی لیا۔ تو آپ کو جبرائیل نے کہا آپ نے فطرت صحیحہ کو پا لیا۔ اگر آپ پانی پی لیتے تو آپ بھی غرق ہوتے اور آپ کی اُمت بھی غرق ہوتی۔ اور اگر آپ شراب پی لیتے تو آپ بھی گمراہ ہوتے اور آپ کی اُمت بھی گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ کے سامنے آدم اور دیگر انبیاء لائے گئے اور اس رات ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ پھر آپ کو جبرائیل نے کہا کہ جو بڑھیا آپ نے راستہ کے ایک جانب دیکھی تھی وہ دنیا تھی اور اسکی عمر سے اسی قدر باقی ہے جو کہ اس بڑھیا کی عمر سے باقی ہے۔ اور جو شخص رستہ سے ہٹ کر آپ کو بلاتا تھا تا آپ اس کی طرف مائل ہوں وہ خدا کا دشمن ابلیس تھا۔ اور وہ لوگ جنہوں نے آپ کو اَلسَّلَامُ عَلَیۡكَ کہا وہ ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ وغیرھم تھے۔‘‘

یہاں پر ابن جریر کی روایت ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ’’یہ وہ حدیث ہے جو ہمارے لئے معیار کے طور پر

ہے کیونکہ میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ صحیح اور سچی ہے۔ اس میں صرف ایک غلطی ہے کہ حضرت جبرائیل نے پینے کے لئے جو پیالے پیش کئے ان میں پہلے پانی پھر دودھ اور پھر شراب کا ذکر ہے جبکہ ابن کثیر نے جو روایت نقل کی ہے اس میں پہلے پانی پھر شراب اور پھر دودھ کا ذکر ہے اور یہی ترتیب درست ہے۔

(تفسیر کبیر تفسیر سورۃ الاسراء)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ مزید فرماتے ہیں

”میرے نزدیک اسراء بیت المقدس ایک لطیف کشف تھا اور اس کے ثبوت مندرجہ ذیل ہیں:۔

اول۔ وہی حدیث انس رض اللہ عنہ کی جسے میں نے سب روایتوں سے تفصیل کے لحاظ سے بہتر قرار دیا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ایک بڑھیا کو دیکھا اور پھر ایک اور شخص کو دیکھا اور پانی شراب اور دودھ کے پیالے دیکھے اور ان میں سے دودھ کا پیالہ پیا۔ ان تمام امور کی حضرت جبرائیل تعبیر کرتے ہیں۔ اگر یہ کشف نہ تھا تو تعبیر کا کیا مطلب؟“

”دوسرا ثبوت اس کا یہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی اس کا نام رؤیاء ہی رکھا ہے جیسے اسی سورۃ کے چھٹے رکوع میں فرمایا

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

(بنی اسرائیل: 61)

کہ یہ رؤیا لوگوں کے فتنہ کے لئے تھی۔ چنانچہ اس آیت کی وجہ سے کئی صحابہ اور سابق علماء نے بھی اسے رؤیاء ہی قرار دیا۔“

”اس جگہ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ گو قرآن کریم میں اس کے متعلق رؤیاء کا لفظ آیا ہے مگر اس لفظ سے دھوکا کھا کر اسے عام خوابوں کی طرح نہیں سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ عربی میں رؤیاء کا مفہوم اور ہے اور اردو میں اور۔ اردو میں تو رؤیاء اس نظارہ کو کہتے ہیں جو انسان سوتے ہوئے دیکھتا ہے لیکن عربی میں کشف اور عام خواب دونوں کے لئے کشف کا لفظ بولا جاتا ہے۔“ (تفسیر کبیر)

اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو انسانوں کے لئے ایک فتنہ قرار دیا جس کے ایک معنی ہیں کہ اسے آزمائش بنا دیا۔ چونکہ یہ ناممکن تھا کہ مکہ مکرمہ سے شام (بیت المقدس) تک کا سفر کوئی ایک ہی رات میں طے کر لے جس کے لئے کم از کم دو ماہ کا عرصہ (جانے کا اور واپسی کا کل سفر) درکار ہوتا تھا۔ اس بات کو بعض مفسرین نے اسراء کے جسمانی ہونے کی دلیل کے طور پر بھی پیش کیا ہے کہ اگر یہ محض خواب کا واقعہ تھا تو اس میں کسی کے لئے کوئی آزمائش نہ تھی کیونکہ ایسی خوابیں آ جایا کرتی ہیں۔ کفار مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیت المقدس کے بارہ میں سوالات کئے۔ اللہ تعالیٰ نے کشفی طور پر بیت المقدس کو آپ کے سامنے کر دیا جسے دیکھ دیکھ کر آپ کفار کے سوالوں کے درست جوابات دیتے رہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر آپ جسمانی طور پر بیت المقدس تشریف لے گئے تھے تو آپ کفار کے سوالوں کے جوابات بغیر کسی پریشانی کے فوراً دے دیتے مگر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سوالات پر کچھ پریشان ہوئے جس پر خدا تعالیٰ نے ایک مرتبہ پھر بیت المقدس کو کشفی طور پر آپ کے سامنے کر دیا اور آپ نے کفار کو ان کے تمام سوالوں کے درست جوابات دے کر مطمئن کر دیا۔

مسجد اقصیٰ سے کیا مراد ہے؟

نہایت اہم بات یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت المقدس کی سیر کروائی گئی تو اس رات آپ نے مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاء کی نماز میں امامت کروائی۔ قرآن کریم نے مسجد اقصیٰ کا ذکر فرمایا ہے جبکہ تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہے کہ وہاں اس وقت کوئی مسجد موجود نہیں تھی۔ حتی کہ ہیکل سلیمانی بھی موجود نہیں تھا البتہ عیسائیوں کے گرجے موجود تھے۔

بیت المقدس (ہیکل سلیمانی) کی تاریخ

تاریخی طور پر یہ ثابت ہے کہ بیت المقدس کی تعمیر حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں شروع ہوئی مگر اس کی تکمیل ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد حکومت میں 957 قبل مسیح ہوئی۔ اسی لئے اسے ہیکل سلیمانی کا نام دیا گیا۔ اس کی وجہ بنیادی طور پر اُس متبرک صندوق کی حفاظت کرنا تھی جو بنی اسرائیل کے نزدیک بہت مقدس، بابرکت اور قابل عزت و احترام تھا۔ روایات کے مطابق یہ صندوق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک نہایت متبرک لکڑی سے تیار کروایا تھا اور اس صندوق میں انبیاء کے مقدسات اور متبرکات محفوظ کئے گئے تھے جن میں عصائے موسیٰ، من وسلویٰ، کچھ تختیاں جن پر وحی الٰہی کا اندراج تھا اور بعض اور انبیاء کے تبرکات بھی شامل تھے۔ اس صندوق کو تابوت سکینہ (ARK OF COVENANT) کہا جاتا ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم کی سورۃ بقرہ آیت 249 میں ہے:

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

ترجمہ: اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ یقیناً اس (طالوت) کی بادشاہت کی نشانی یہ ہے کہ وہ صندوق تمہارے پاس آئے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے سکینت ہو گی۔

ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے بعد اس تابوت سکینہ کو اُس میں رکھ دیا گیا۔ 586 قبل مسیح بابل کے بادشاہ نبوکد نظر (NEBUCHADNEZZAR) جسے بخت نصر بھی کہا جاتا ہے نے یہودیوں کی بغاوت کے خاتمہ کے لئے یروشلم پر حملہ کیا اور اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہیکل سلیمانی کو مکمل تباہ کر دیا گیا اور بے شمار یہودیوں کو غلام بنا کر یروشلم سے بے دخل کر دیا۔ بخت نصر کی افواج تابوت سکینہ کو بھی اٹھا لے گئیں۔ اس کے بعد سے اس کا کچھ پتہ نہیں کہ کدھر ہے اور یہودی آج تک اس کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔

ایک ایرانی بادشاہ CYRUS نے 519 قبل مسیح میں ہیکل کی دوبارہ تعمیر کی۔ ہیکل کی از سر نو تعمیر اور تزئین حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے کچھ عرصہ قبل بادشاہ HEROD کے دور میں ہوئی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب دیے جانے کے 70 سال بعد ایک رومی بادشاہ TITUS نے ایک مرتبہ پھر ہیکل سلیمانی کو تباہ کر دیا۔ لاکھوں یہودیوں کو قتل کیا اور انہیں ہمیشہ کے لئے یروشلم سے نکال دیا۔ (یہ بات یاد رہے کہ ابتدا میں ہیکل سلیمانی کو بیت المقدس کہا جاتا تھا مگر بعد میں پورے شہر یروشلم کو بیت المقدس کہا جانے لگا)۔ اس تباہی کے بعد ہیکل دوبارہ تعمیر نہیں ہو سکا۔ البتہ عیسائیوں نے اپنے دور اقتدار میں وہاں اپنے گرجے تعمیر کر لئے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت وہاں ہیکل سلیمانی (بیت المقدس) موجود نہیں تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور میں یروشلم فتح ہوا تو وہاں عیسائیوں کی حکومت تھی۔ عیسائیوں نے یہودیوں سے شدید نفرت کی وجہ سے بیت المقدس کی جگہ کو کوڑا کرکٹ اور گند پھینکنے کی جگہ بنایا ہوا تھا۔ جب حضرت عمر یروشلم تشریف لے گئے تو آپ نے اپنے ہاتھوں سے یہ گند صاف کیا اور اس چٹان پر نماز ادا کی۔ بعد میں بنو امیہ کے دور میں اس چٹان پر ایک مسجد تعمیر کی گئی جسے قبۃ الصخرۃ کہا جاتا ہے۔

اس کے قریب ہی مسجد اقصیٰ تعمیر کی گئی۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ ہے کہ قبۃ الصخرۃ اور مسجد اقصیٰ کو ہیکل سلیمانی کے کھنڈرات پر تعمیر کیا گیا ہے۔ یہودی ان مقدس مقامات کو گرا کر یہاں دوبارہ ہیکل سلیمانی تعمیر کرنا چاہتے ہیں۔ یہ ہے اصل تنازعہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان۔

اب آتے ہیں دوبارہ اس اہم سوال کی طرف کہ جب یروشلم میں ہیکل سلیمانی اور مسجد اقصیٰ موجود ہی نہیں تھی تو قرآن کریم نے مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا کہہ کر کس طرف اشارہ فرمایا۔ اس سے ایک بات تو قطعیت کے ساتھ ثابت ہو گئی یہ سفر جسمانی نہیں بلکہ کشفی اور روحانی تھا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں کو کہاں نماز پڑھائی تھی۔ مسجد اقصیٰ کا مطلب ہے دور کی مسجد۔ یہ دوری مکانی بھی ہو سکتی ہے اور زمانی بھی۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے مسجد اقصیٰ سے مراد مسجد نبوی لی ہے اور یروشلم کے سفر کو دراصل ہجرت مدینہ کی طرف اشارہ قرار دیا ہے۔

اس عظیم الشان کشف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آئندہ آنے والے غلبہ اسلام اور مسلمانوں کی فتوحات کی خبر دی گئی اور انبیاء کی امامت سے آپ کے بلند و بالا مقام اور رتبے کا اظہار کیا گیا۔ اس کشف کی ایک اور تعبیر ہے جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمائی ہے کہ دور کی مسجد (مسجد اقصیٰ) سے مراد مسیح موعود کی مسجد اقصیٰ ہے۔

خاکسار کے نزدیک اس کی مندرجہ ذیل توجیہ ہو سکتی ہے۔

پہلی یہ کہ مسجد اقصیٰ میں حضورؐ نے انبیاء کی امامت فرمائی۔ آپ امام الانبیاء قرار دیے گئے۔ آپ کی اتباع میں آپ کے عاشق صادق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا ”جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الْاَنْبِیَآءِ“ (خدا کا پہلوان نبیوں کے لباس میں)۔ پھر قرآن کریم میں مسیح موعود کے دور کے نشانات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (مرسلٰت: 12) اور جب رسول مقررہ وقت پر لائے جائیں گے۔ چنانچہ صرف دو مرتبہ رسولوں کو اکٹھا کرنے کا ذکر ہے۔ پہلی مرتبہ اسراء میں رسولوں کو مسجد اقصیٰ میں اکٹھا کرنے کا اور دوسری مرتبہ جب مسیح موعود کے دور میں اکٹھا کیا جائے گا۔ اس طرح روحانی لحاظ سے مسیح موعود کی مسجد اقصیٰ اُس مسجد اقصیٰ میں شامل ہے جسے اسراء میں دکھایا گیا جس میں انبیاء اکٹھے کئے گئے اور جس کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

”قرآن شریف کی یہ آیت کہ سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ معراج مکانی اور زمانی دونوں پر مشتمل ہے اور بغیر اس کے معراج ناقص رہتا ہے۔ پس جیسا کہ سیر مکانی کے لحاظ سے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد الحرام سے بیت المقدس تک پہنچا دیا ایسا ہی سیر زمانی کے لحاظ سے آنجناب کو شوکت اسلام کے زمانہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا برکات اسلامی کے زمانہ تک جو مسیح موعود کا زمانہ ہے پہنچا دیا۔ پس اس پہلو کی رو سے جو اسلام کے انتہا زمانہ تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سیر کشفی ہے مسجد اقصیٰ سے مراد مسیح موعود کی مسجد ہے۔“

رپورٹ: فرخ شبیر لودھی۔ نمائندہ الفضل آن لائن، لائبیریا

اجتماع خدام الاحمدیہ مونٹسیراڈو کاؤنٹی، لائبیریا

مکرم مرزا عمر احمد صاحب مبلغ مونٹسیراڈو کاؤنٹی تحریر کرتے ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے مؤرخہ 9 جنوری بروز اتوار مجلس خدام الاحمدیہ مونٹسیراڈو کاؤنٹی، لائبیریا کو ایک روزہ اجتماع احمد آباد (Kpo River) میں منعقد کرنے کی توفیق ملی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِكَ۔

جیسا کہ احباب کو کرونا کی وجہ سے عالمی حالات کا بخوبی علم ہے جس نے نظام زندگی یکسر تبدیل کر کے رکھ دیا ہے لیکن دوسری جانب خدا تعالیٰ کی جماعت ہے جو تبلیغی و تربیتی سرگرمیاں احتیاط سے جاری رکھے ہوئے ہے اور باوجود کئی رکاوٹوں کے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ خدائی کاموں کو رکنے نہیں دیتی۔ انہی امور میں سے ایک نہایت اہم امر خدام کی تربیت کا بھی ہے۔ اسی سلسلہ میں خدام کا اجتماع جو عمومی طور پر سہ روزہ ہوتا ہے لیکن کرونا کی وباء کے باعث ایک روز کے لئے منعقد کیا گیا۔

اجتماع کے سلسلہ میں تیاریوں کا آغاز ایک ہفتہ قبل مکرم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ کی زیرصدارت میٹنگ سے ہوا جس میں اجتماع کو ہر لحاظ سے کامیاب بنانے کے لئے جامع پروگرام مرتب کیا گیا اور انتظامی امور کی انجام دہی کے لئے نظامتیں بھی تشکیل دی گئیں۔ تمام خدام نے مل جل کر وقار عمل، کھانا بنانے اور دیگر تمام امور میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔

اجتماع کا باقاعدہ آغاز صبح 11:30 بجے نمائندہ امیر صاحب مکرم مشہود حسن خالد صاحب مربی سلسلہ اور مکرم سرفراز احمد صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ لائبیریا نے پرچم کشائی سے کیا۔ تلاوت قرآن کریم کے بعد مکرم صدر صاحب خدام الاحمدیہ نے عہد دہرایا۔ افتتاحی خطاب میں محترم مربی صاحب نے خدام کو مقصد تخلیق انسانی کی طرف توجہ دلائی۔

افتتاحی تقریب کے بعد وقت کی کمی کو مدنظر رکھتے ہوئے خدام و اطفال کے تربیتی اور ورزشی ہر دو مقابلہ جات کروائے گئے۔ جن میں تلاوت، اذان اور فٹ بال میچ شامل تھا۔

سہ پہر 4:00 بجے نماز ظہر و عصر کی ادائیگی کے بعد مکرم نوید احمد عادل صاحب امیر و مشنری انچارج لائبیریا کی زیرصدارات اختتامی تقریب کا آغاز ہوا۔ تلاوت و نظم کے بعد خاکسار نے اجتماع کی رپورٹ پیش کی۔ مکرم امیر صاحب نے خدام اور اطفال کی نمازوں اور مساجد سے وابستگی کا از خود جائزہ لیتے ہوئے خدام اور اطفال سے محاسبہ نفس کرنے اور یہ عہد کرنے کی تلقین کی کہ آج کے بعد حتی الوسع نمازوں اور مساجد سے وابستگی

میں کمی نہیں آنے دیں گے۔

اس کے بعد آپ نے مقابلہ جات میں کامیابی حاصل کرنے والے خدام و اطفال میں انعامات تقسیم کئے اور اختتامی دعا کروائی۔ آخر پر تمام شاملین کی کھانے سے تواضع کی گئی۔

مونٹسیراڈو کاؤنٹی میں 35 شہری و دیہی مجالس شامل ہیں جن کی نمائندگی کرتے ہوئے کل 180 خدام اور اطفال نے شمولیت اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کرے یہ اجتماع ہر لحاظ سے شاملین کے لئے بابرکت ہو اور انھیں ایمان و اخلاص میں بڑھانے کا موجب بنے۔ آمین

بقیہ: ورچوئل ٹاؤن ہال...... از صفحہ 16

ان کے امام کے ساتھ مضبوطی سے جڑ جانا۔ میں نے کہا اگر نہ مسلمانوں کی جماعت ہو اور نہ ہی کوئی امام؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے فرمایا: پھر ان تمام فرقوں سے کنارہ کشی اختیار کر لینا، خواہ تمہیں درخت کی جڑیں ہی کاٹ کر کھانی کیوں نہ پڑیں، یہاں تک کہ تم پر موت آ جائے، اس حالت میں۔

(صحیح بخاری)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اردو نظم پڑھی گئی۔

ٹاؤن ہال کا افتتاحی خطاب محترم آصف باسط صاحب نے کیا جس میں خلافت احمدیہ کی تاریخ کا مختصر جائزہ پیش کیا گیا۔ محترم آصف باسط صاحب نے خلافت احمدیہ کی کامیابیوں کا موازنہ دوسری خلافت مثلاً سلطنت عثمانیہ سے کیا۔ ایک تاریخی حقیقت جو آصف باسط صاحب نے بیان کی وہ خلافت احمدیہ کی الٰہی مدد تھی جو لندن میں پہلی اسلامی مشن قائم کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی: ’’1910 میں غیر احمدی مسلمانوں کی طرف سے لندن مسجد فنڈ قائم کیا گیا تھا جس میں بہت بڑا سرمایہ تھا۔ سید امیر علی جیسے ٹرسٹی جنہوں نے یہ فنڈ قائم کیا۔ ان کے پاس فارس کے بادشاہ کی طرف سے 1000 پونڈ، عثمانی خلیفہ کی طرف سے 1000 پونڈ، بیگم آف بھوپال کی طرف سے 5000 پونڈ اور متفرق ذرائع سے 2000 پونڈ کا عطیہ تھا۔ ان کے اکاؤنٹ میں 9000 پاؤنڈز تھے لیکن وہ لندن میں مسجد کو شروع نہ کر سکے۔ بلکہ حضرت خلیفۃ المسیح کی وہ کوشش جس میں ہندوستان کی غریب خواتین نے اپنی بچت فراہم کی، اس سے لندن میں پہلی مسجد بنائی گئی۔

پروگرام کی مرکزی پریزنٹیشن ’’خلافت کی برکات‘‘ کے حوالے سے

تھی جس کی نظامت مہتمم تربیت ابراہیم چوہدری صاحب نے کی۔ پریزنٹیشن میں خلافت کی ضرورت، اللہ کی طرف سے ایک خلیفہ مقرر ہوتا ہے، خلافت کی اطاعت کی اہمیت، خلیفہ سے محبت اور خلافت کے سائے میں رہنا جیسے بہت سے اہم موضوعات پر گفتگو کی گئی۔

پینلسٹس نے ان موضوعات پر براہ راست رہنمائی فراہم کرنے کے لیے حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور ان کے خلفائے راشدین کی تحریروں اور اقوال کا استعمال کیا۔ تمام پریزنٹیشن کے دوران، امریکہ کی مختلف مجالس کی طرف سے خدام نے خلافت کی برکات کے ذاتی تجربات بیان کیے۔ اِن کہانیوں سے بہت سے اہم باتوں کو سیکھنے کا موقع ملا، جو خلافت کی وجہ سے اِن کی زندگیوں پر اثر انداز ہوئیں تھیں۔ جیسے ہیوسٹن مجلس سے تعلق رکھنے والے رحمان ناصر جنہوں نے اپنی انڈر گریجویٹ ڈگری حاصل کرنے کے دوران مشکلات کا سامنا کیا تھا اور کس طرح پیارے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات اور ان کی خصوصی دعاؤں کے بعد، ان کی تعلیمی کارکردگی بہتر ہوگئی۔ ایک اور ذاتی تجربہ ساؤتھ ورجینیا مجلس کے ایک خادم فارس احمد نے بیان کیا جو روزانہ کی بنیاد پر پیارے حضور ایدہ

اللہ تعالیٰ کو خط لکھنے سے وابستہ برکات کا عملی نمونہ ہیں۔

نیشنل تربیت ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے ایک ویڈیو کمپلیشن پیش کی گئی جس میں خدام نے جواب دیا کہ ’’خلافت ان کے لیے کیا معنی رکھتی ہے؟‘‘

اختتامی ریمارکس اور سوال و جواب

پروگرام کا اختتامی خطاب محترم امیر جماعت یو ایس اے مکرم مرزا مغفور احمد صاحب نے کیا۔ محترم امیر صاحب نے اپنے خطاب کا آغاز خلافت کی برکات پر مزید روشنی ڈالتے ہوئے کیا جو احمدی مسلمان اپنی روزمرہ کی زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔ پھر محترم امیر صاحب نے سامعین کی توجہ خلیفۃ المسیح سے تعلق قائم کرنے کی اہمیت کی طرف مبذول کرائی تا کہ ان برکات کا مشاہدہ کیا جا سکے اور بیعت کی دسویں شرط پڑھ کر سنائی جس میں کہا گیا ہے کہ: ’’خدا کے اس عاجز بندے کے ساتھ اخوت کا رشتہ، محض خدا کی خاطر، باقرارِ طاعت درمعروف باندھ کر اس پر تاوقتِ مرگ قائم رہے گا، اور اس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہو گا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو

اختتامی خطاب کے بعد محترم امیر صاحب اور آصف باسط صاحب کی زیر صدارت سوال و جواب کا سیشن ہوا۔

DAILY LONDON ALFAZL ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
+44 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

رپورٹ: سید شمشاد احمد ناصر۔ امریکہ

مجلس خدام الاحمدیہ امریکہ کی جانب سے خلافت کی برکات کے موضوع پر ورچوئل پروگرام

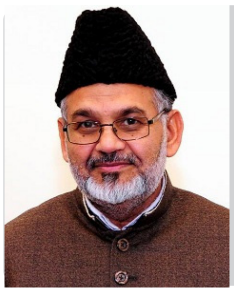

مجلس خدام الاحمدیہ یو ایس اے کی جانب سے 15 جنوری 2022 بروز ہفتہ کو ایک ورچوئل ٹاؤن ہال منعقد کی گئی۔ ٹاؤن ہال کا بنیادی موضوع ’’خلافت کی برکات ‘‘تھا۔ اس ویبنار کی صدارت محترم امیر جماعت یو ایس اے مکرم مرزا مغفور احمد صاحب نے کی اور مہمان خصوصی ڈائریکٹر ایم ٹی اے پروگرامنگ آصف باسط صاحب تھے۔ اللہ کے فضل سے اس ویبنار میں جماعت کے تقریباً 4000 ارکان نے شرکت کی۔

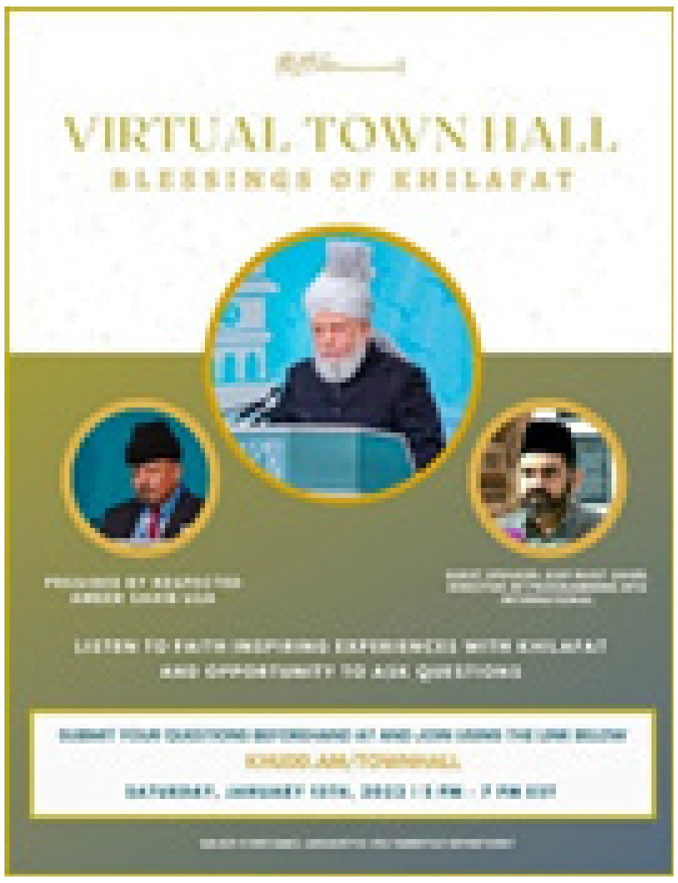

پروگرام

ویبنار کا آغاز قرآن پاک کی سورۃ النور کی آیات 55-58 کی تلاوت سے ہوا جس کا انگریزی ترجمہ بھی پڑھا گیا۔ پھر ایک حدیث بھی بیان کی گئی، جو یہ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھلائی کے بارے میں سوال کرتے تھے، لیکن میں آپ سے برائی کے بارے میں پوچھتا تھا کہ کہیں مجھ پر ان کی گرفت نہ ہو جائے، تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور (انتہائی) بدترین ماحول میں زندگی گزار رہے تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے یہ خیر (یعنی اسلام) بھیجا، کیا اس خیر کے بعد بھی کوئی برائی ہوگی؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہاں، میں نے کہا، کیا کوئی برائی ہوگی اس بھلائی کے بعد؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہاں، لیکن وہ داغدار ہوگی (پاک نہیں) میں نے پوچھا، اس کا داغ کیا ہوگا؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ’’کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو دوسروں کو میرے طریقے کے مطابق ہدایت نہیں دیں گے، تم ان کے بعض اعمال کو پسند کرو گے اور بعض کو ناپسند کرو گے۔ میں نے پوچھا کیا اس نیکی کے بعد کوئی برائی بھی ہوگی؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: ہاں، کچھ لوگ ہوں گے جو جہنم کے دروازے کی طرف بلا رہے ہوں گے اور جو کوئی ان کی پکار پر لَبَّیْك کہے گا اسے جہنم کی آگ میں پھینک دیا جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ ان کا حال ہم سے بیان فرمائیں گے؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: وہ ہمارے اپنے ہی لوگوں میں سے ہوں گے اور ہماری زبان ہی بولیں گے۔‘‘ میں نے عرض کی، اگر میری زندگی میں ایسی حالت آجائے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا، مسلمانوں کی جماعت اور بقیہ صفحہ 15 پر

چھوٹی مگر سبق آموز بات

نماز ہمیں بہت سی برائیوں اور اخلاقی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ وقت پر نماز کی ادائیگی نہ صرف اللہ کے ہاں مقبول عمل ہے بلکہ اس سے ہمیں پابندی وقت کی عادت بھی پڑتی ہے۔ نماز میں سستی سے کاموں میں بے برکتی پڑتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

میں تمہیں مختصر نصیحت کرتا ہوں بعض لوگ ہیں جو نماز میں کسل کرتے ہیں اور یہ کئی قسم کے ہے۔

1۔ وقت پر نہیں پہنچتے۔

2۔ جماعت کے ساتھ نہیں پڑھتے۔

3۔ سنن اور واجب کا خیال نہیں کرتے۔

کان کھول کر سنو جو نماز کا مضیع ہے اس کا کوئی کام دنیا میں ٹھیک نہیں۔

(خطبات نور جلد دوم صفحہ 97-98)

(بشریٰ نذیر آفتاب، سسکاٹون۔ کینیڈا)

طلوع وغروب آفتاب

01مارچ2022ء	طلوع فجر	غروب آفتاب
مکہ مکرمہ	05:25	18:25
مدینہ منورہ	05:27	18:24
قادیان	05:35	18:26
ربوہ	05:15	18:06
اسلام آباد ٹلفورڈ	05:18	17:43

فقہی کارنر

قضائے عمری کیا شے ہے

ایک صاحب نے سوال کیا کہ قضائے عمری کیا شے ہے؟ جو کہ لوگ (عید الاضحیٰ) کے پیشتر جمعہ کو ادا کرتے ہیں۔ فرمایا:

میرے نزدیک یہ فضول باتیں ہیں۔ ان کی نسبت وہی جواب ٹھیک ہے کہ حضرت علیؓ نے ایک شخص کو دیا تھا جبکہ ایک شخص ایک ایسے وقت نماز ادا کر رہا تھا جس وقت میں نماز جائز نہیں۔ اس کی شکایت حضرت علیؓ کے پاس ہوئی تو آپ نے اسے جواب دیا کہ مَیں اس آیت کا مصداق نہیں بننا چاہتا۔ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی ﴿۱۰﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ﴿۱۱﴾ (العلق:10۔11) یعنی تو نے نہیں دیکھا اس کو جو ایک نماز پڑھتے بندے کو منع کرتا ہے نماز جو رہ جاوے اس کا تدارک نہیں ہوسکتا ہاں روزہ کا ہوسکتا ہے۔

اور جو شخص عمداً سال بھر اس لئے نماز کو ترک کرتا ہے کہ قضائے عمری والے دن ادا کرلوں گا وہ گنہگار ہے اور جو شخص نادم ہو کر توبہ کرتا ہے اور اس نیت سے پڑھتا ہے کہ آئندہ نماز ترک نہ کروں گا تو اس کے لئے حرج نہیں۔ ہم تو اس معاملہ میں حضرت علیؓ ہی کا جواب دیتے ہیں

(البدر یکم مئی 1903ء صفحہ 114)

* ایک شخص نے سوال کیا کہ میں چھ ماہ تک تارکِ صلوٰۃ تھا۔ اب میں نے توبہ کی ہے کیا وہ سب نمازیں اب پڑھوں؟ فرمایا

’’نماز کی قضاء نہیں ہوتی۔ اب اس کا علاج توبہ ہی کافی ہے‘‘

(بدر 24 تا 31 دسمبر 1908ء صفحہ 5)

(داؤد احمد عابد۔ استاذ جامعہ احمدیہ یوکے)